امتزاج نور و طین

تخلیق محمدؐ و آل محمدؐ

خطیب آلِ محمدؐ سید ظل حسنین زیدی سرسوی





Due date	





اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر ○

القرآن

اِمتزاجِ نُور و طین

تخلیق محمدؐ و آلِ محمدؐ

تالیف

خطیبِ آلِ محمدؐ سیّد ظلِ حسنین زیدی سرسوی

شناس نامہ

محفوظیت	جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں
نام کتاب	امتزاج نور و طین (محمدؐ و آل محمدؐ)
نام مؤلف	سید ظل حسنین زیدی سرسوی
سال طبع	۱۹۹۴ء
باراول	ایک ہزار
قیمت	
پریس	
ناشر	THE SOCIETY OF MESSAM TAMMAR TRUST دی سوسائٹی آف میثم تمار ٹرسٹ سید حسن علی زیدی 505 امتیاز پلازہ دی مال لاہور۔



زیبائش

- انتساب
- استبصار
- عددی تجلی
- پیش نگارش



اس ذات اقدس (ص) کے نام جسکی

خلقت نوری سے تاریکی عدم دور ہوئی۔

سید ظل حسنین زیدی سرسوی

اول ما خلق اللہ نوری ٥

(حدیث نبوی)

اِسۡتبصار

السلام علیکم یا اھلبیت النبوۃ

وموضع الرسالۃ المقصر فی

حقکم زاھق والحق معکم وفیکم

ومنکم والیکم وانتم اھلہ

ومعدنہ ومیراث النبوۃ عندکم

عددی تجلی

امتزاج نور و طین	محمدؐ و آل محمدؐ
۶۹+۶+۲۵۶+۴۵۲	۹۲+۳۱+۶+۹۲
جملِ کبیر =	۱۰۰۴ = ۲۲۱+۷۸۳
جملِ صغیر =	۵ =

خدا کے نور سے پیدا ہوئے ہیں پانچوں تن
محمدؐ است و علیؑ فاطمہؑ حسینؑ و حسنؑ

باسمہ تعالیٰ

پیش نگارش

مشاہدہ ہے کہ عرصہ دراز سے "ملت جعفریہ" میں حضرات محمدؑ وآل محمدؑ صلوات اللہ علیہم اجمعین کی شان سے تقصیر آمیز نظریات بڑی تیزی سے پھیل رہے ہیں مثل اس کے کہ بعض لوگوں کا یہ نظریہ ہے کہ حضرات معصومین (ع) کی خلقت نوری نہیں ہے۔ یہ من باب المجاز نور ہیں یہ ذوات مقدسہ مثل بشر ہیں۔ اس قسم کے اور بھی نظریات ہیں کہ جن سے تقدس و تحریم و تکریم معصومین متاثر ہوتی ہے اور مومنین کے عقائد میں تذبذب پیدا ہو رہا ہے۔ عقائد میں چونکہ اختلاف ملت کے لئے نیک شگون نہیں ہے پس ضرورت ہے اس امر کی کہ حضرات علمائے کرام اور فضلائے اعلام کوئی ایسا لائحہ عمل مرتب کریں کہ شیعہ قوم میں تقصیر آمیز نظریات کا سد باب عمل میں آئے اور عقائد میں یکجہتی استوار ہو۔ مجھے اس امر کی خوشی ہے کہ میری پیش نظر کتاب اسی لائحہ عمل کی ایک ایسی دستاویز ہے کہ جو خطبائے منبر رسولؐ کے بیش بہا ارشادات سے عبارت ہے۔

میں نے اس کتاب مستطاب کی تدوین کے لئے اللہ تعلیٰ سے خیر طلب کی چنانچہ بتائید تفاؤل قرآن اس کتاب کی نگارش شروع کی بفضلہ تعالیٰ کتاب پایہ تکمیل کو پہنچ گئی جسے ہدیہ قوم وملت کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ اس کتاب میں تقصیر آمیز نظریات کو مختلف عنوانات کی صورت میں منضبط کر کے نگارش کی ہے اس کتاب کی اہمیت وافادیت کا اندازہ بیک نظر "عرفانیات" (فہرست مضامین) سے ہو سکتا ہے۔ میں نے اس کتاب میں علمائے کرام کے افادات سے بھی مدد لی ہے اور بعض مضامین کو اس کتاب میں جگہ دی ہے تاکہ قارئین کتاب پر واضح ہو جائے کہ بالمقابل عقائد مقصرین ہمارے عقائد قدیمانہ اور مصدقہ

ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ جملہ اہلِ علم خواہ وہ کسی مکتبِ فکرِ اسلامیہ سے وابستہ عقیدت ہوں اس کتاب تجلی انتساب سے روشنی حاصل کریں گے۔ کیونکہ حضرت محمد ﷺ و آل محمد سب کا دینی سرمایہ ہیں۔

اگر تخلیقِ حضرت آدم علیہ السلام پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضرت آدم "امتزاج نور وطین" کا پہلا شاہکار ہیں اور یہی سنت الٰہیہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرات محمد و آل محمد صلوات اللہ علیہم اجمعین تک جاری و ساری ہے جو اس طرف راجع ہے کہ حضرات معصومین علیہم السلام کی نوع عام نوع انسان سے جداگانہ ہے۔ ہمارے ساتھ صرف بشریت میں اشتراک ہے۔ میں نے اس کتاب تجلی انتساب کا نام "امتزاج نور و طین" (محمد و آل محمد) قرار دیا ہے۔

حقیقت ہے اسے مانو نہ مانو
تمہارا فرض ہے جانو نہ جانو
ہمارا کام ہے تم کو بتانا
دلوں کو جادۂ حق پر لگانا

(مولانا فانی مرحوم)

رب ربنالاتزغ قلوبنا بعد ازهديتنا (القرآن)

باب مدینۃ العلم، خطیب منبر رسول ﷺ رئیس الموحدین حضرات امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:

"اول الدین معرفتہ (نہج البلاغۃ) کہ دین کی ابتدا اس (خدا) کی معرفت ہے۔" اسی ارشاد مبارک کے پیشِ نظر میری دلی خواہش تھی کہ توحید باری تعالیٰ عزاسمہ کے موضوع پر کتاب مدون کروں تاکہ عام مومنین استفادہ کر سکیں۔ چنانچہ توفیق الٰہی شاملِ حال ہوئی اور نگارش کتاب کا موقع دستیاب ہوا کتاب پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی۔ یوں تو موضوع توحید اور صفات

باری تعالیٰ پر اکثرت کتب منصہ شہود پر آچکی ہیں لیکن تعالیٰ شانہ عما یقولون ۔O

اس کتاب میں مختلف عنوانات قائم کر کے نگارش کی ہے ان واقعات کی نشاندہی بھی کی ہے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت (ص) کے اہلبیتؑ طاہرین نے آنحضرت (ص) کی حیات طیبہ میں اور بعد آنحضرت (ص) بھی حفاظت توحید فرمائی ہے اس کتاب معرفت انتساب میں حضرات محمدؐ وآل محمدؐ کے علم لدنی کی شعاع کا پر تو ضو فگن ہے ۔ اگر شمع علوم اہلبیتؑ طاہرین دل میں روشن ہے تو اس کتاب کے مطالعہ سے توحید وصفات خداوند عالم کی معرفت میں اضافہ ہونا یقینی امر ہے ۔ میں نے اس کتاب مستطاب کا نام " توحید و معرفت توحید " قرار دیا ہے مجھے امید ہے کہ تمام مکاتب فکر اسلامیہ کے اہل علم اس کتاب عرفاں انتساب سے روشنی حاصل کریں گے ۔ جنہوں نے اسلامیات کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ حضرات محمد وآل محمد (ص) نقطۂ اولیت ممکنات اور وجہ معرفت خداوند عالم ہیں ۔ پس ان کی تخلیق اور حفاظت توحید لازم وملزوم ہے ۔ پیش نظر کتاب میں صورت " حصہ دوم " اپنی تالیف منیف الموسوم بہ " توحید و معرفت توحید " ہدیہ قوم و ملت کر رہا ہوں ۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللهِ ۔

خطیب آل محمد (ص)
سید ظل حسنین زیدی سرسوی



" مولانا ظل حسنین صاحب قبلہ شاید قبرستان سے واپس آئے تھے جوتوں پر مٹی جمی ہوئی تھی میں نے رومال نکالا اور دونوں جاتے اٹھا کر گرد جھاڑنا شروع کر دی ۔ مولانا پر شفقت اور انتہائی انکساری سے میرا ہاتھ روکتے ہوئے فرمایا ارے زیدی صاحب یہ کیا ؟ .... اذان کی آواز .... سنتے ہی میری آنکھ کھل گئی۔

سوچا اس خواب کی تعبیر ؟ کہتے ہیں کہ خواب کی تعبیر دیکھنے والے کے بس میں ہوتی .... نہیں .... ایسا نہیں .... کم از کم اس تعبیر میرے ہاتھ میں ہے اگلے دن پہلی فرصت میں قبلہ کے دولتکدہ پر حاضری دی دیکھا پلنگ کے پائینتی چپل پڑے ہیں ۔ میں نے قبلہ سے پوچھا کہ وہ بوٹ جو آپ عام طور سے پہنتے ہیں ۔ کہاں ہیں ۔ محترم کے لئے میرا یہ سوال عجیب تھا .... اصرار کرنے پر قبلہ بوٹ لے آئے .... میں نے جیب سے رومال نکالا اور جوتوں کی گرد جھاڑنا شروع کردی ۔قبلہ نے ہاتھ تھامنے کی کوشش کی اور حیرت زدہ انداز میں پوچھا ارے زیدی صاحب یہ سبب کیا؟ کہ جوتوں کی گرد صاف کی اور موصوف کے سامنے اپنی خواب دہرادی .... اس طرح اپنی خواب کی تعبیر خود حاصل کر لی .... قبلہ نے مسکراتے ہوئے کہا کہ تشریف تو رکھیے ۔ اور فخریہ انداز میں فرمایا کہ برادرم زیدی صاحب میں تو دو دن سے آپ کا منتظر تھا کہ آپ تشریف لائیں تو میں خدمت " حسن " میں ایک تازہ مسودہ کتاب پیش کروں جو اپنے نام اور افادیت کے اعتبار سے منفرد ہے ۔ اور یہ مسودہ کل ہی پایہ تکمیل کو پہونچا ہے .... یہ بھی فرمایہ کہ میری تصانیف میں یہ کتاب حفظ ناموس اہلبیت طاہرین کے لئے اپنی آپ مثال ہے ۔ اور میں چاہتا ہوں کہ یہ

کتاب چھپ جائے اور میری زندگی میں منظر عام پر آجائے اور لوگ استفادہ کریں .... یہ باتیں سن کر میرے دل نے گواہی دی کہ یہ خواب جو میں نے دیکھا ہے اس اصل تعبیر مولانا کی خواہش کی تکمیل ہے نہ کہ صرف گرد جھاڑ دینا ہو سکتا ہے کہ گرد جھاڑنے کی تاویل یہ ہو کہ میں دنیاوی امور پر اس کتاب تجلی انتساب کی اشاعت کو ترجیح دوں ۔ اور گرد تغافل اس کے تکملا اشاعت پر نہ پڑی رہے ۔ .... سو کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے ۔ خداوندعالم کی توفیق اور ائمہ معصومین (ع) کی امداد شامل حال ہوئی میں شکر گزار ہوں اور مجھے امید ہے کہ بارگاہ خدا و رسول (ص) سے اس کا اجر نہ صرف مجھے ملیگا بلکہ قبلہ موصوف کی جنبش قلم اور قارئین کتاب کی نظر بالغتہ ہم سب کے سب جزائے خیر پائیں گے کیونکہ خدا کا فضل عام ہے اور کرم تام ہے ۔

بندہ ناچیز

سید حسن علی زیدی (بارہوی)

مینجنگ ٹرسٹی

دی سوسائٹی آف میثم تمار ٹرسٹ لاہور

عرفانیات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امتزاج نور و طین کا پہلا شاہکار

آیت اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ○ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ○ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ○ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ○ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ۭ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ○ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۭ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ○ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ○ وَّاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ○

(پ ۲۳ سورۂ ص، آیات ۷۱ تا ۷۸)

ترجمہ:۔ (اے رسولؐ وہ وقت یاد کرو) جب پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں گیلی مٹی سے ایک بشر (آدمی) بنانے والا ہوں۔ جب میں اسے درست کر لوں اور اسمیں اپنا پیدا کی ہوئی روح ڈالوں تو تم سب کے سب اس کے سامنے سر بسجود ہو جانا۔ سب کے سب فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ایک ابلیس کہ وہ شیخی میں آگیا۔ اور کافروں میں ہو گیا خداوند تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا کہ اے ابلیس جسے میں نے اپنی قدرت سے بنایا بھلا اس کو سجدہ کرنے سے کون سی چیز مانع ہوئی کیا تو نے تکبر کیا۔ کیا تو واقعی بڑے درجوں والوں میں سے ہے۔ ابلیس بول اٹھا کہ میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے بنایا ہے خدا نے فرمایا تو یہاں سے نکل جا تو یقینی مردود ہے اور تجھ پر قیامت تک میری لعنت ہے اگر واقعہ تخلیق جناب آدمؑ کو مذکورہ آیات کی روشنی میں دیکھا جائے تو چند باتیں ذہن میں ابھرتی ہیں جو کہ یہ ہیں:۔

یہ کہ حضرت آدم "امتزاج نور وطین" کا پہلا شاہکار ہیں
یہ کہ پہلی وہ ذات کہ جس نے جناب آدمؑ کی نوریت سے انکار کیا ابلیس ہے
یہ کہ پہلی وہ ذات کہ جس نے نبی اللہ (آدمؑ) کو محض طین کی نسبت سے دیکھا ابلیس ہے
یہ کہ خداوند عالم نے جناب آدمؑ کو پیدا کرنے سے پہلے ہی "بشر" کا نام عطا کیا ہے
یہ کہ جناب آدمؑ کی نسل میں قیامت تک بشریت جنس ہے
یہ کہ خداوند عالم نے نسل آدمؑ میں انبیاء وائمہؑ کو قرار دیا ہے۔
یہ کہ خداوند عالم نے جناب آدمؑ کو پیدا کرنے سے قبل ہی اپنا خلیفہ مقرر فرمایا ہے
یہ کہ صفات جناب آدمؑ کی تقسیم اسطرح قرار دی ہے کہ بشریت بصورت جنس سب آدمیوں کے لیے ہے۔ لیکن مناصب الہیہ (نبوت وامامت) جسے خدا چاہے نبیؑ وامامؑ کی تخلیق کے ساتھ قرار دے۔
یہ کہ خداوند عالم نے علم کو معیار خلافت قرار دیا ہے اور اس کا اعلان بھی خود فرمایا ہے
یہ کہ انی جاعل فی الارض خلیفۃ میں خلافت الہیہ جناب آدمؑ کیلئے مخصوص ہے اسمیں تعمیم نہیں۔ کہ ساری اولاد آدمؑ خلیفۂ خدا ہو۔
یہ کہ تخصیص خلافت اس امر کی طرف راجع ہے کہ انبیاء وائمہ (ع) کی نوع۔ عام نوع انسانی سے جداگانہ ہے
یہ کہ علم۔ لازمۂ نبوت وامامت ہے اور علم کا دلیل نبوت وامامت ہونا اس طرف راجع ہے کہ ہر ایک نبیؑ وامامؑ کی روح۔ روح علمی ہے اور اسی کو روح نبوتی سے تعبیر کرتے ہیں۔
یہ کہ نبوت وامامت اکتسابی نہیں ہے پس نبی وامام پیدائشی نبی وامام ہوتے ہیں۔ خواہ ماموریت وبعثت کسی بھی وقت ظہور پذیر ہو۔
یہ کہ عام انسان۔ جاہل پیدا ہوتے ہیں اور نبیؑ وامامؑ پیدائشی عالم ہوتے ہیں ان کا علم ان کی فطرت سے مربوط ہوتا ہے پس نبیؑ وامامؑ کی نوع۔ عام نوع انسان سے جداگانہ ہے۔
یہ کہ جیسا کہ بعض عالم کہتے ہیں کیا نبیؑ وامامؑ کوئی دوسری مخلوق ہیں کہ ان کو مثل بشر سمجھا

جائے یہ غور نہیں کرتے بشریت جنس ہے اور اسمیں نبیؑ وامامؑ ہمارے ساتھ اشتراک رکھتے ہیں لیکن ہم ان کی نبوت وامامت میں اشتراک نہیں رکھتے۔ پس ان کو کوئی دوسری قسم کہنا درست نہیں ہے کہ اس کی آڑ لے کے ان کو اپنا جیسا بشر اور ایک نوع سمجھا جائے

یہ کہ نبوت وخلافت کی بنا پر حضرت ادمؑ بقدر ایک سجدہ تمام فرشتوں (نوری مخلوق) کے قبلہ بنے۔ اس سے عظمت آدمؑ بہ سبب خلیفہ خدا واضح ہوتی ہے جو اسطرف راجع ہے کہ یادیان منصوص من اللہ کی نوع۔ عالم نوع انسان سے جداگانہ ہے

یہ کہ ابلیس نے آدمؑ کے سامنے سجدہ نہ کیا خداوند تعالیٰ نے اس کو مردود و لعنتی قرار دیا اور اس کا یہ نظریہ باطل قرار پایا کہ نبیؑ وامامؑ کو محض بشر سمجھا جائے کیونکہ اس نے آدمؑ کو طین کی نسبت سے دیکھا ہے۔

یہ کہ حضرت آدمؑ کی تخلیق سے ظاہر ہوتا ہے کہ الحجۃ قبل الخلق ومع الخلق وبعد الخلق کہ حجت خدا۔ مخلوق سے پہلے مخلوق کے ساتھ اور مخلوق کے بعد بھی ہوتا ہے چنانچہ مخلوق سے پہلے حجت خدا کے وجود پر حدیث میں کنت نبیاوآدم بین الماء والطین شاہد ہے اور معیت حجت خدا اظہر من الشمس ہے کہ انبیاء اور امام کا وجود ہمیشہ رہا ہے اور اس زمانہ میں چونکہ بعد آنحضرت نبی آنے والا نہیں ہے حضرت امام العصر مہدی القائمؑ (۲) کا وجود ذی جود قیامت تک کے لیے مخلوق کے ساتھ ساتھ برقرار ہے۔

اب ہم آیات قرآن کی روشنی میں واقعہ تخلیق آدم سپرد قرطاس کرتے ہیں کہ خداوند عالم نے فرشتوں سے خطاب فرمایا کہ میں گیلی مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں اور جب میں اسے درست کرلوں اور اپنی روح ڈال دوں تو اے ملائکہ تم اس کو سجدہ کرنا۔ چنانچہ جب جسد آدم تیار ہو گیا اور تو خداوند عالم نے اپنی پیدا کردہ روح کو حکم دیا کہ جسد آدمؑ میں داخل ہو۔ روح نے عرض کیا پروردگار عالم میں فضائے بسیط کے ایک مخلوق ہوں میں اس تنگ و تاریک جسد سے کس طرح مربوط ہوں حکم دیا کہ تالو کے ذریعے تعلق قائم کر۔ چنانچہ روح نے جناب آدم کے تالو کے ذریعے تعلق قائم کیا اور جب دماغ میں پہونچی اور انکھوں اور دہن و

زبان تک پہونچی تو حضرت آدمؑ کو چھینک آئی۔ آپ نے فوراً ہی الحمد اللہ کہا۔ اس مقام پر سوال ہو سکتا ہے کہ جناب آدمؑ کو کس نے تعلیم دی کہ چھینک آنے پر خدا تعالیٰ کی حمد ادا کیجائے اور اس کا شکر ادا کیا جائے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آدمؑ چونکہ نبی اللہ تھے اور خداوند عالم نے ان کے لیے بطور تعارف خلیفہ کا لفظ ارشاد فرمایا ہے پس روح آدمؑ روح علمی تھی اس لیے کبھی اس روح کو زبان قرآن میں روح القدس کبھی روح منہ اور کبھی کلمۃ اللہ القاھا کہا گیا ہے۔ اور یہ تمام ارواح کا تذکرہ انبیاء اللہ ہی کے حالات میں ملتا ہے۔ حضرات ائمہ معصومین (ع) کی ارواح مطہرہ بھی علمی وہبی ہیں اور چونکہ ان ذوات مقدسہ کا علم وہبی ہوتا ہے لہٰذا ان کا کسب و اکتساب علم سے کوئی تعلق نہیں ہے پس ان کی روح۔ بھی روح علمی ہوتی ہے ہم اس مقام پر ایک روایت سپرد قرطاس کرتے ہیں جو کہ یہ ہے کہ حضرت امام حسین (ع) اپنے بچپنے کے زمانہ میں یعنی کہ حیات نبوی (ص) میں اپنے گھر سے باہر نکلے کچھ اور بھی طفلان مدینہ موجود تھے ان میں عمر بن سعد ملعون بھی تھا کہ امام حسینؑ کی نظر اس پر پڑی اور آپ نے کسی سے فرمایا کہ یہ شخص (عمر بن سعد) میرا قاتل ہے یہ مجھے کربلا میں قتل کرے گا جب امام حسین (ع) یہ باتیں کر رہے تھے کہ حذیفہ یمانیؒ ادھر سے گزرے اور یہ گفتگو سنی تو امام حسین (ع) کے پاس آئے اور کہنے لگے فرزند رسول خدا (ص) کیا یہ بات تم نے اپنے نانا جان سے سنی ہے امام حسینؑ نے فرمایا کہ نہیں۔ حذیفہؒ کو بڑا تعجب ہوا اور جب انحضرت (ص) کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سارا واقعہ سنایا انحضرت (ص) نے فرمایا اے حذیفہ تعجب کس بات کا ہے الحسن والحسین (ع) حالہ کحال غیرہ من الناس فانہم یطالع اللوح المحفوظ فی ذالک الوقت یعنی کہ حسنؑ و حسینؑ عام لوگوں کی طرح نہیں ہیں بہ تحقیق یہ دونوں لوح محفوظ کا مطالعہ کرتے ہیں اس حدیث سے مستنبط ہوتا ہے کہ ائمہ کی روح روح علمی ہوتی ہے جبکہ عام انسان جاہل پیدا ہوتے ہیں پس حجۃ اللہ خواہ نبیؑ ہوں یا امامؑ۔ ان کی نوع عام نوع انسان سے جداگانہ ہے۔ اور یہی تقاضا ئے عدل بھی ہے کہ ہادی اور غیر ہادی ہونے میں باعتبار نوع امتیاز رہے۔ حضرت آدمؑ۔ دنیائے بشریت میں پہلے نبی ہیں خلیفۃ اللہ

حجت خدا ہیں آپ کے دو جنبہ تھے ایک بشری دوسرا نوری لیکن ابلیس نے جناب آدمؑ کو طین کی نسبت سے دیکھا اور سجدہ سے اعراض کیا حضرت صادق آل محمد علیہ السلام فرماتے ہیں کہ شیطان نے اپنی ناریت کا جناب آدمؑ کی طینت سے قیاس کیا اگر وہ اپنی ناریت کا جناب آدمؑ کی نوریت کے ساتھ تقابل کرتا تو اس پر آدمؑ کی فضیلت اجاگر ہو جاتی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے حضرت آدمؑ "امتزاج نور و طین" کا شاہکار ہیں پس عام انسانوں کی نوع اور نوع انبیاء کی یہ صورت مستنبط ہوتی ہے کہ:

امتزاج نور و طین	امتزاج عناصر اربعہ
مثل بشر	بشر

اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر (القرآن)

نوٹ: ۔آیۂ مبارک قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی کے تحت یہ تفسیر بھی نگاہ سے گزری کیا "حضرات محمد و آل محمد کوئی دوسری قوم ہیں کہ ان حضرات کو مثل بشر لکھا جائے یہ تو عین بشر ہیں" ہمیں تعجب ہے کہ ایک عالم دین کے قلم سے یہ الفاظ کیوں کر منضبط ہوئے کیونکہ حضرات محمد و آل محمد (ص) کو دوسری قوم اس لیے نہیں کیا جا سکتا کہ ان کا ہمارے ساتھ بشریت میں اشتراک رہے پس یہ ذوات مقدسہ "امتزاج نور و طین" کی بنا پر مثل بشر ہیں۔ اور اسی امتزاج کی بنا پر یہ ذوات مقدسہ معصوم ہیں جبکہ بشر محض کی آخری منزل تقویٰ ہے۔

سید ظل حسنین زیدی سرسوی



عالین سے کون لوگ مراد ہیں

آیت: اَسْتَکْبَرْتَ اَمْ کُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ (سورۃ ص آیت نمبر ۷۵) ںبر (۷۵

ترجمہ: (یعنی کہ) خدا نے ابلیس سے فرمایا۔ کیا تو نے تکبر کیا۔ کیا واقعی تو بڑے درجہ والوں میں سے ہے۔'

اس آیت مبارک کا پس منظر یہ ہے کہ جب ابلیس نے حکم خدا سے اعراض کیا اور حضرت آدمؑ کو سجدہ نہ کیا تو خداوند عالم نے اس سے فرمایا کہ اے ابلیس جس چیز کو میں نے اپنی خاص قدرت سے پیدا کیا (بھلا) اس کو سجدہ کرنے سے تجھے کسی چیز نے روکا۔ کیا تو نے تکبر کیا۔ کیا واقعی تو بڑے درجہ میں سے ہے۔ یعنی عالین میں سے ہے۔ ابلیس بول اٹھا کہ میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے (کہاں آگ اور کہاں مٹی) خداوند عالم نے فرمایا تو یہاں سے نکل جا تو یقینی مردود ہے۔ تجھ پر ہر روز جزاء (قیامت) تک میری لعنت پڑا کریگی۔

اگر بغور آیات متعلقہ کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس وقت فرشتے بھی موجود تھے کہ جنہوں نے آدمؑ کو سجدہ کیا جو نوری مخلوق ہیں۔ ابلیس بھی ایک مخلوق ہے جو کہ آگ سے خلق ہوا تھا کیونکہ جنات آگ سے خلق ہوئے ہیں جیسا کہ ارشاد ہوا ہے والجان خلقنہ من قبل من نار السموم O (سورۃ الحجر آیت نمبر ۲۰) یعنی کہ اور ہم ہی نے جنات کو آدمی سے (بھی) پہلے بے (دھوئیں) کی تیز آگ سے پیدا کیا ہے۔ اور خود حضرت آدم طین سے پیدا کئے گئے ہیں جب کہ ارشاد ہوا انی خالق بشراً من طین O کہ میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں۔ ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو ذوات مقدسہ عالین کا مصداق ہیں وہ نہ ملائکہ میں سے ہیں اور نہ جنات میں سے ہیں اور وقت سجدہ صرف حضرت آدمؑ ہی تھے کوئی اور دوسرا آدمی

نہ تھا۔ بس عالین وہی ذوات مقدسہ ہیں کہ جن کے انوار طیبہ کو سب سے پہلے خداوند عالم
نے خلق فرمایا ہے جیسا کہ حدیث نور سے ظاہر ہوتا ہے (جسکا ذکر پیش نظر عنوان کے بعد اسی
کتاب میں کیا گیا ہے) کہ انحضرت (ص) نے فرمایا ہے اول ماخلق اللہ نوری کہ خداوند عالم
نے سب سے پہلے میرے نور کو خلق فرمایا۔ پس حضرات محمد وآلِ محمد (ص) عالین ہیں یعنی کہ
بڑے درجہ والے ہیں کہ اول مخلوق ہیں اور یہ درجہ عالی۔ باعتبار ماہیت نوری ہے نہ کہ
باعتبار طین۔ اب ہم ایک حدیث سپرد قرطاس کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرات
محمد وآل محمد (ص) عالین ہیں چنانچہ ابو سعید خدری آیۃ استکبرت ام کنت من العالین ۝ کی
تفسیر میں کہتے ہیں کہ ہم حضرت محمد رسول خدا (ص) کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک شخص
آیا۔ اور سلام کرنے کے بعد کہنے لگا یا رسول اللہ۔ خدا تعالیٰ کے قول "من العالین" میں وہ
کون لوگ ہیں کہ جو عند اللہ عالین ہیں اور وہ فرشتوں سے بھی زیادہ عالی مرتبہ ہیں۔ انحضرت
(ص) نے فرمایا کہ وہ میں ہوں اور علیؑ و فاطمہؑ حسنؑ و حسینؑ ہیں۔ (ملاحظہ ہو بحار الانوار
علامہ مجلسی) پس حضرات محمدؐ وآل محمدؐ عالین ہیں۔ اور تمام کائنات میں سے بڑے درجہ
والے ہیں۔ اس دنیا میں بھی عالین ہیں اور اس عالم میں بھی عالین ہیں پس حضرات محمد وآل
محمد (ص) کی نوع۔ عام نوع انسان سے جداگانہ ہے یعنی کہ یہ حضرات مثل بشر ہیں اور یہی
من العالین سے ظاہر ہوتا ہے یہ بھی ایک مسلمہ امر ہے کہ عالین کی طرف جو چیز منسوب ہو
جائے وہ قابل تعظیم و تکریم ہے کیونکہ اس کو دیکھکر خدا کی یاد تازہ ہوتی ہے اور اس کے بے
توقیری کرنا جائز نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات محمد وآل محمد (ص) کے مشاہد مقدسہ
شعائر اللہ میں داخل ہیں چنانچہ جب زائرین مشاہد مقدسہ میں جاتے ہیں تو عتبہ عالیہ پر اپنی
پیشانی رکھ دیتے ہیں جسے عرف عام میں سجدہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اس سجدہ کے متعلق مفاتیح
الجنان مطبوعہ نجف اشرف باب آداب زیارت۔ نمبر شمار نمبر ۱۰ میں یہ عبارت مرقوم ہے کہ
شیخ شہیدؒ فرمودہ کہ اگر زیارت کنندہ سجدہ کند و نیت کند کہ از برائے خدا سجدہ میکنم بہ شکر
این کہ مرا مارا باین مکان رسانیدہ بہتر خواہد بود یعنی کہ میں برائے شکر خدا سجدہ کرتا ہوں کہ

اس نے مجھے اس مقام تک پہونچایا تو یہ سجدہ خوب تر ہے۔ کتاب مفاتیح الجنان برس ہا برس سے علمائے کرام کے عملیہ میں ہے اور یہ بھی یقینی چیز ہے کہ زائرین کی نگاہ میں آداب زیارت ہمہ وقت رہتے ہیں کہ منافی آداب زیارت کوئی بات صادر نہ ہونے پائے چنانچہ سب ہی نے شیخ شہیدؒ کی مذکورہ عبارت سے اتفاق کیا ہے جسکا ماحصل یہ ہے کہ سجدہ بہ نیت شکر خدا ہو۔ لیکن کچھ عرصہ سے یہاں پر یہ الفاظ گشت کر رہے ہیں کہ سجدہ شکرانہ کا ہونا چاہیئے نہ کہ سجدہ امام کو تعظیمی کیونکہ اللہ کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کیا جاسکتا۔ نہ تعظیمی نہ غیر تعظیمی بعض جاہلوں نے یہ مسلک بنا کر عوام کو گمراہ کرنا ہے کہ امامؑ کو سجدہ تعظیمی جائز ہے۔ وہ کفر ہے مذہب شیعہ ان چیزوں سے پاک ہے سوال ہو سکتا ہے کہ یہ کیوں کر سمجھ لیا گیا کہ زائرین کا آستانہ مبارک پر پیشانی رکھنا امام (ع) کو سجدہ کرنا ہے؟ علاوہ ازیں اس سجدہ سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ سجدہ امامؑ کو کیا جاتا ہے۔

نیت کا حال خدا اور حضرات محمد وآل محمد (ص) پر روشن ہے نیت چونکہ پوشیدگی رکھتی ہے بنابریں شیخ شہید اعلی اللہ مقامہ نے زائر کی نیت پر حملہ نہیں کیا بلکہ ایک راہ صواب دکھلائی ہے کیونکہ کوئی زائر آستانہ مقدسہ پر امامؑ کو سجدہ نہیں کرتا وہ تو آستانہ مبارکہ کو بقدر ایک سجدہ شکرانہ اپنا قبلہ عقیدت قرار دیتا ہے جو خالصاً احترام شعائر اللہ ہے۔ اس سجدہ کے متعلق اس قسم کی اشاعت کرنا کہ "وہ کفر ہے اور مذہب شیعہ ان چیزوں سے پاک ہے" ہرگز مناسب ودرست نہیں ہے کیونکہ اس سے مخالفین مذہب شیعہ کو تقویت پہونچتی ہے اور مروجہ وہابیت خارجی وداخلی طور پر اثرانداز ہوتی ہے سجدہ تو صرف ذات خدا کیلئے ہے فرشتے آدمؑ کے سامنے جھک گئے سجدہ میں گر پڑے اور جناب آدمؑ بقدر ایک سجدہ قبلہ ملائکہ بنے اور اہل ایمان آستانہ مبارک پر پیشانی رکھ کر حق احترام شعائر اللہ ادا کرتے ہیں

بے ادب پا منہ ایں جا کہ عجب درگاہ است
سجدہ گاہ ملک وروضہ شاہنشاہ است

اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰہُ نُورِی

(حدیث نبویؐ)

خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:۔

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ (سورۃ آل عمران ایت نمبر ۱۱۰) تم کیا اچھے گروہ ہو کہ جو لوگوں کی ہدایت کے واسطے پیدا کیئے گئے ہو تم لوگوں کو اچھے کاموں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور خدا پر ایمان رکھتے ہو اس آیت میں لفظ اخرجت وارد ہوا ہے جو دلالت کرتا ہے کہ امت خیر (یعنی محمد وآل محمد (ص) پہلے ہی سے عالم نور میں چھپے ہوئے تھے یعنی کہ اسرار الٰہی میں پوشیدہ تھے۔ کیونکہ نکالنے ہی کو اخراج کہتے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ذوات مقدسہ نوری ہیں کیونکہ عناصر اربعہ کا اس عالم نور سے کوئی تعلق نہیں پس وجود محمدؐ اول مخلوق اور نور ہے اس آیت کی تفسیر خود آنحضرت (ص) نے جابر بن عبد اللہ انصاری سے بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اے جابرؓ اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰہُ نُورِی

ابتدعتہ من نورہ واشتقہ من جلال عظمتہ فاقبل یطوف بالقدرۃ حتی وصل الی جلال العظمۃ فی ثمانین الف سنۃ ثم سجدہ للہ تعظیما ففتق منہ نور علی فکان نوری محیطا بالعظمۃ و نور علی محیطا بالقدرۃ ثم خلق العرش واللوح والشمس وضوء النہار و نور الابصار والعقل والمعرفۃ والبصار العباد واسمائہم وقلوب بہم من نوری ونوری مشتق من نور اللہ فنحن الاولون ونحن الاخرون ونحن السابقون ونحن مسبحون ونحن الشافعون ونحن کلمۃ اللہ

ونحن خاصة الله ونحن احباء الله ونحن وجه الله نحن جنب الله ونحن يمين الله ونحن امناء الله ونحن خزنة وحی الله وسدنة غيب الله ونحن معدن التنزيل ومعنى التاويل وفی ابياتنا هبط الجبرئيل ونحن متحال قدس الله ونحن مصابيح الحكمة ونحن مفاتيح الرحمة ونحن ينابيع النعمة ونحن شرف اللام ونحن سادة الائمة ونحن نواميس العصر واحبار الدهر ونحن سادة العباد ونحن ساسة البلاد ونحن الكفاة والحماة والسقاة والرعاة وطريق النجاة ونحن السبيل والسلسبيل ونحن النهج القويم والطريق المستقيم من امن بنا امن بالله ومن رد علينا رد على الله ومن شك فينا شك فی الله ومن عرفنا عرف الله ومن رد على الله ومن شك فينا شك فی الله ومن عرفنا عرف الله ومن تولى عنا تولى عن الله ومن اطاعنا اطاع الله ونحن الوسيلة الى الله والوصلة الى رضوان الله ولنا العصمة والخلافة والهداية وفينا النبوة والولاية والامامة ومعدن الحكمة وباب الرحمة وشجرة العصمة ونحن كلمة التقوى والمثل الاعلى والحجة العظمى والعروة الوثقى من تمسك بها نجا۔

ترجمہ: یعنی پہلے جو اللہ نے خلق کیا میرا نور ہے۔ اس کو اپنے نور سے اول اول بنایا اور اپنے جلال عظمت سے نکالا۔ پس وہ حجاب قدرت کے گرد طواف کرنے لگا۔

یہاں تک کہ اسی ہزار سال میں جلال عظمت تک پہونچ گیا۔ پھر اس نے تعظیماً سجدہ خدا کیا اور اس سے خدا نے نور علی کو جدا کیا اور چیر کر نکالا پس میرا نور تو عظمت کو احاطہ کئے ہوئے تھا۔ اور نور علی قدرت کو محیط کئے ہوئے تھا۔ پھر اللہ نے عرش و کرسی لوح۔ آفتاب

دن کی روشنی آنکھوں کا نور اور عقل معرفت اور لوگوں کے کان اور آنکھیں اور دل میرے نور سے خلق کئے اور میرا نور خدا کے نور سے مشتق تھا۔ پس ہم (ہیں) علی اور اولاد علیؑ ہی سب سے اول ہیں۔ اور ہم ہی سب سے آخر ہیں۔ ہم میں سبقت کرنے والے ہیں۔ ہم میں تسبیح کرنے والے اور شافع محشر ہیں۔ ہم ہی کلمۃ اللہ و مخصوصین ہیں۔ ہم ہی مقرب خدا ہیں۔ اور ہم ہی دوست خدا ہیں۔ ہم ہی وجہ اللہ ہیں۔ ہم ہی جنب اللہ ہیں۔ ہم ہی دست خدا ہیں ہم ہی اسکے امین اس کی وحی کے خزانہ دار اور پردہ غیب الہیہ ہیں۔ ہم ہی معدن تنزیل اور معنی تاویل ہیں مہبط جبرئیل ہیں ہم ہی محل قدس الہیٰ و مورد روح قدس ہیں ہم ہی شمعہائے حکمت کلید ہائے رحمت اور چشمہائے نعمت میں سردار ائمہ شرف امت ہیں ہم ہی ناموس زماں و علماء دہر سرداران اور حکام بلاد ہیں۔ ہم ہی کفیل رعیت حامیٔ دین راعیٔ خلق اور ساقی۔ رہبر راہ نجات ہم ہی سلسبیل ہیں۔ ہم ہی سبیل ہیں۔ ہم ہی راہ قدیم ہیں ہم ہی طریق مستقیم ہیں۔ جو ہم پر ایمان لایا خدا پر ایمان لایا۔ جس نے ہمارے قول کو رد کیا۔ اس نے خدا کے کلام کو رد کیا۔ جس نے ہم پر شک کیا اس نے خدا میں شک کیا۔ جس نے ہمیں پہچان لیا اس نے خدا کو پہچان لیا۔ جو ہم سے پھرا ہے وہ خدا سے پھرا جس نے ہماری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی ہم ہی خدا تک پہونچنے کا ذمہ اور اس کی خوشنودی کا ذریعہ ہیں ہمارے ہی لیے عصمت و خلافت و ہدایت ہے۔ اور ہم ہی میں نبوت ولایت اور امامت ہے اور ہم ہی معدن حکمت ہیں باب رحمت ہیں۔ ہم ہی شجرہ عصمت ہیں ہم ہی کلمہ تقویٰ اور مثل اعلیٰ ہیں حجت عظمیٰ ہیں اور عروۃ الوثقیٰ ہیں کہ جس نے ہمارے دامن سے کیا نجات پا گیا۔ (ملاحظہ ہو کتاب الصراط السوی فی احوال المہدیؑ صفحہ ۱۴۰ تا صفحہ ۱۳۶ مصنفہ علامہ حضرت السید محمد سبطین صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ)

کیا حضرات محمد وآل محمد(ص) مجازاً نور ہیں؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ "نور و بشر کی بحثیں کرنے والے یہ بھی نہیں جانتے کہ نور کی تعریف کیا ہے اور نہ ہی یہ جانتے ہیں کہ نور و نار میں کیا فرق ہے؟ اور نہ ہی یہ معلوم ہے کہ نور جوہر ہے یا عرض۔ حقیقت یہ ہے کہ نوران بعض غامض اشیاء میں سے ایک ہے جن کی ماہیت و حقیقت کے چہرہ سے آج تک کوئی نقاب کشائی نہ کر سکا۔ اور نہ ہی آئندہ کوئی اس لاینحل معمہ کو حل کر سکے گا"

جب ہم اس نظریہ کا جائزہ لیتے ہیں تو چند سوالات ذہن میں ابھرتے ہیں جو کہ یہ ہیں:۔

یہ کہ۔ کیا نور کی حقیقت و ماہیت سمجھنے کا شرعی طور پر کوئی مکلف ہے یا نہیں؟

یہ کہ کیا حضرات محمد وآل محمد(ص) کی خلقت نوری پر عقیدہ رکھنے کے لیے احادیث نور کافی نہیں ہیں؟

یہ کہ اگر حضرات محمد وآل محمد(ص) کی خلقت نوری سے ابتداء کائنات نہیں ہے تو پھر کونسی شے ہے جو اول مخلوق ہے؟

یہ کہ حضرات محمد وآل محمد(ص) کو من باب المجاز نور کہنے کے بارے میں کیا کوئی قول معصوم(ع) ہے

یہ کہ اگر حضرات محمد وآل محمد(ص) کی خلقت نوری کو من باب المجاز نور کہا جائے تو کیا یہ اسطرح راجح نہیں کہ ان کی تخلیق عام انسانوں جیسی ہے۔

یہ کہ جب کہ لفظ غامض دیر فہم اور کلام پوشیدہ ہے کہ جس تک عقل انسان کی رسای ممکن نہیں تو کیا حضرات محمد وآل محمد(ص) کے نزدیک بھی حقیقت نور غامض شے ہے۔؟

کیا حضرات محمد وآل محمد(ص) کو حقیقت نور کا علم نہیں۔؟

جہاں تک حدیث نور کا تعلق ہے۔ یہ معتبر و موثق حدیث ہے۔ اس حدیث کو معصوم

اور موثق محدثین دونوں نے نقل کیا ہے روایتی تفصیل کو (اسی کتاب میں بعنوان انا وعلی من نور واحد میں ملاحظہ فرمائیں) پس اول مخلوق کا نوری ہونا روز روشن کی طرح واضح اور اول مخلوق کہ جس سے کائنات کی ابتداء ہوئی ہے وہ نور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے جبکہ کسی دوسری حدیث نبویؑ یا ارشاد امامؑ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ علاوہ نور محمد وآل محمد (ص) کے کوئی اور شے ایسی ہے کہ جس سے خداوند عالم نے کائنات کی ابتداء فرمائی ہے پھر ان کو من باب المجاز نور کہنا کیا معنی؟ یہ چیز ایک لمحہ فکر یہ کی طالب ہے خداوند عالم نور ہے اور خالق نور بھی ہے۔ نور خداوند عالم کی صفات ثبوتیہ میں سے ایک ہے جسکا اقرار اور اس کی ضد کا انکار کرنا لازمی ہے نور کی ضد ظلمت ہے پس خدا نور ہے اور ظلمت عدمی شے ہے پس جس سے کائنات کی ابتداء ہوئی وہ نور ہے جس پر اول ماخلق اللہ نوری شاہد ہے۔ حضرت امام محمد تقی (ع) نے سوالب صفات کے ذریعے معرفت خدا حاصل کرنے کی ہدایت فرمائی ہے کیونکہ صفات ثبوتیہ میں سے کسی بھی صفت کی حقیقت اور کنہ معلوم کرنا محال ہے لہذا تمام صفات ثبوتیہ کو سمجھنے کے لیے اس کے اضداد کی نفی کرنا ضروری ہے اور اسطرح نفی صفات کو (یعنی صفات سلبیہ کا انکار) ذریعے معرفت قرار دو کہ خدا کی ذات سے ہر عیب اور نقصان کی نفی عمل میں آئے اور چونکہ حضرات محمدؐ وآل محمدؐ خدائی صفات کے مظہر اور مطہر ہیں لہذا ان کو نور تسلیم کرنا ان کی صفت ثبوتیہ کا اقرار کرنا ہے کیونکہ یہ وہ حضرات ہیں کہ جن سے ہر قسم کا عیب و نقص دور ہے پس محمدؐ وآل محمد کا مخلوق نوری ہونا اظہر من الشمس ہے یہ من باب المجاز نور نہیں ہیں یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ ان کا نور اسطرح تابندہ ہو جیسے کہ چاند و سورج کا حال ہے یہ جب چاہئیں اپنے نور کو ظاہر کر سکتے ہیں اور ظاہر بھی کیا ہے جس کا اسی کتاب میں جگہ جگہ ذکر کیا گیا ہے خداوند عالم کی حیثیت نور کو کوئی نہیں سمجھ سکتا تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ معاذ اللہ خدا بھی من باب المجاز نور ہے۔ وجود محمد وآل محمد جو خود ایک حقیقت محض ہے پس مجاز سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے ہم ان کے نور کو ذریعہ معرفت نور ذات خدا سمجھتے ہیں۔

حکماء نے نور کی یہ تعریف کی ہے الظاہر بذاتہ والمظہر لغیرہ ۔ یعنی کہ خود ظاہر ہو اور دوسری چیزوں کو بھی ظاہر کر دے ۔ اسی تعریف نور کی وجہ سے مترجمین نے لفظ نور کا ترجمہ "لفظ روشنی سے کیا ہے ۔ ہمارے نزدیک یہ تعریف نور جامع نہیں ہے کیونکہ جیسا کہ ذکر کیا جا چکا کہ نور خدا کی صفت بھی ہے اور ذات احدیت مستور و مخفی ہے رویت خدا ممکن نہیں ہے پس کسطرح اس کا نور ظاہر ہو سکتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تعریف نور ۔ اس نور پر صادق آتی ہے کہ جسے خدا نے نور عطا کیا ہے ۔ جیسے سب سے اول مخلوق نور محمدی (ص) ہے اور اس نور کے اجزاء علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ میں پس پنجتن پاک مخلوق نوری ہیں اور ان کے نوری ہونے سے انکار کرنا یا ان کو من باب المجاز نور کہنا ۔ خداوند تعالیٰ کے نور ہونے سے انکار کرنا ہے اور خداوند عالم کی صفات ثبوتیہ میں سے کسی صفت کا بھی انکار کرنا راہ بہ گمراہی ہے خداوند عالم ہر ایک مومن کو اس سے محفوظ رکھے ۔ قرآن مجید سے ظاہر ہوتا ہے کہ چاند و سورج میں بھی نور جو من باب المجاز نہیں ہے ۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔ وجعل القمر فیھن نورا و جعل الشمس سراجاً (سورۃ نوح آیت نمبر ۱۶) اور اس نے ان میں چاند کو نور بنایا ۔ اور سورج کو روشن چراغ بنا دیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ چاند و سورج میں نور ہے تو اگر خلقت محمد وآل محمد نوری ہو تو کونسے انکار کی بات ہے ؟ یہ چیز ایک لمحہ فکر یہ کی طالب ہے

•فکر•

کیونکہ سورج کی روشنی کا منبع نار ہے نہ کہ نور سورج کی روشنی اسباب کے تابع ہے نور محتاج اسباب نہیں

جو لوگ محمد وآل محمد (ص) کے خلقت نوری سے انکار کرتے ہیں یہ بھی کہتے ہیں کہ "جو فرشتے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوط کے پاس گئے تھے اگرچہ متمثل بہ بشر تھے مگر ان میں خواص و آثار اب بھی فرشتوں والے تھے چنانچہ قرآن شاہد ہے کہ جب ابراہیمؑ خلیل نے ان کی ضیافت کے لیے بھنا ہوا گوشت پیش کیا تو انہوں نے اپنی معذوری ظاہر کر دی ۔ لیکن انبیاء

اللہ میں تو اکل و شرب تناکح و تناسل وغیرہ سب لوازم بشریت موجود ہیں پھر اس نمایاں فرق کے باوجود ان پر کیوں کر قیاس کیا جا سکتا ہے " انبیاء (ع) سے متعلق یہ ہے وہ نظریہ کہ جسے تقصیر پسند لوگوں نے اپنایا ہے اگر بغائر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ نظریہ خود یہ ظاہر کرتا ہے کہ انبیاء اللہ اور خصوصاً محمد و آل محمد (ص) کی خلقت نوری ہے کیونکہ خلقت اولیٰ نوری اور بعدہ طین کو نسبت دی گئی ہے تاکہ کار ہدایت انجام پذیر ہوتا رہے ۔ اگر یہ بھی مثل فرشتوں کے نوری تخلیق پر دنیا میں تشریف لاتے تو کوئی بھی ان سے ہدایت نہ پاتا نہ ہی مانوس ہوتا اس لیے انہوں نے اپنے نوری خواص کو ظاہر نہیں کیا (سوائے بشری خواص کے) جسطرح کہ فرشتوں نے ابراہیمؑ کے پاس پہونچ کر اپنے خواص ملکی کو ظاہر نہیں کیا تھا جب تک کہ ان کے سامنے بچھڑا بھنا ہوا پیش نہ کیا گیا۔ اس طرح محمد و آل محمد (ص) نے بھی جب چاہا اپنی خلقت نوری کو ظاہر کیا ہے جس کا ثبوت روایات سے ملتا ہے ان میں سے بعض یہ ہیں :۔

حضرت ام المومنین بی بی عائشہ سے مروی ہے کہ انحضرت (ص) کی پیشانی مبارک سے ایسا نور ساطع ہوتا تھا کہ جسکی روشنی میں ہم اپنی سوئی تک دھونڈ لیتے تھے ۔ یہ بھی بعض روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ دونوں نواسہ آپ کے گھر سو رہے تھے کہ بیدار ہوئے اور اپنے نانا جان کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم اپنے گھر جائیں گے شب کا وقت تاریکی چھائی ہوئی اور ان کا بچنا پس انحضرتؑ نے اپنی انگشت مبارک کو بلند کیا اور اس سے ایک نور ساطع ہوا جسکی روشنی میں شہزادے اپنے گھر گئے ۔ یہ بھی وارد ہوا ہے کہ انحضرتؑ نے کھجور کی ایک سوکھی ہوئی شاخ اٹھائی اور اس اپنا دست مبارک مس کیا اس میں روشنی پیدا ہو گئی اور شہزادہ اس روشنی میں اپنے گھر گئے۔

ان تمام شواہد اور روایات سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرات محمد و آل محمد (ص) کی خلقت نوری ہے اب ہم ان لوگوں سے سوال کرتے ہیں جو کہ یہ کہتے ہیں کہ محمد و آل محمد (ص) من باب المجاز نور ہیں ۔ کیا اس نظریہ کی تائید میں کوئی قول معصوم موجود ہے ؟ کہ

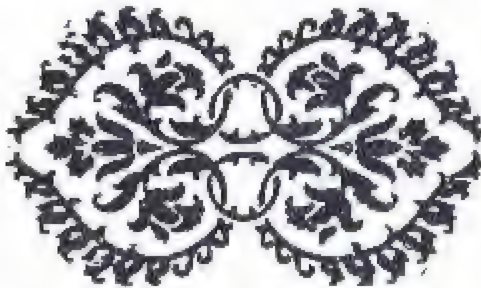
جسمیں یہ فرمایا ہو کہ ہم من باب المجاز نور ہیں حالانکہ یہ مسلمہ امر ہے کسی آیت قرآنی یا حدیث کی تاویل وہی صحیح متصور سکتی ہے کہ جسکی تائید قول معصوم سے حاصل ہو ورنہ نہیں۔

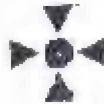
حضرات محمد وآل محمد(ص) کی خلقت نوری کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جیسا کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ وہ تجلی کہ جو کوہ طور پر ایک شجر سے ظاہر ہوئی وہ ہمارے جد امجد حضرت رسول خدا(ص) کے نور کا ایک جزو تھی کہ جسکے دیکھنے کی دیکھنے والے تاب نہ لاسکے۔ اور حضرت موسیٰ (ع) بے ہوش ہو گئے۔ آنحضرت (ص) نے یہ فرمایا ہے کہ نہیں دیکھا کسی نے مجھے اور علیؑ کو ہماری اصلی صورت میں (یعنی کہ ہماری صورت نورانیہ میں کیونکہ کوئی بھی دیکھنے کی تاب نہ لاسکتا تھا) خلقت نوری کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جیسا کہ علامہ جزائری نے انوار نعمانیہ میں درج کیا ہے کہ یہ فریقین کی کتب میں موجود ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ ایک مرتبہ جبرئیل امین حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کے دولتکدہ پر حاضر ہوئے اثنائے گفتگو جناب سیدہؑ نے ان کو یا عم کہکر خطاب کیا جب جبرئیل امین آنحضرت(ص) کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے جناب سیدہؑ کا ان کو یا عم کہکر خطاب کرنیکا تذکرہ کیا۔ اور بطور تعجب کہا کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ ہماری خلقت نور سے ہوی ہے اور آپ کی طین سے آنحضرت(ص) نے فرمایا کہ سیدہ فاطمہؑ زہرا نے سچ کہا اے جبرئیل ہم بھی نور سے پیدا ہوئے ہیں پھر حضرت رسول خدا(ص) نے جناب علی مرتضیٰ (ع) کو بلایا اور اپنی پیشانی کو ان کی پیشانی سے رگڑا۔ تو اس سے اتنا نور ظاہر ہوا جس سے آنکھیں خیرہ ہو جاتیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اے جبرئیل اس نور کو پہچانتے ہو جبرئیل نے عرض کیا ہاں ھذا النور الذی کنا نراہ فی قوام العرش کہ یہ وہ نور ہے کہ جسکو ہم قوام عرش پر دیکھا کرتے تھے۔ تب آنحضرت(ص) نے فرمایا اسی لیے میری بیٹی فاطمہؑ نے تجھے یا عم کہکر خطاب کیا ہے پس محمد وآل محمد(ص) کی خلقت نوری سے انکار کرنا یا ان ذوات مقدسہ کو من باب المجاز نور سمجھنا بھی منافی حقیقت ہے۔

" وحی " جسطرح کہ نور بعض غامض اشیاء میں سے ایک ہے کہ جسکی حقیقت کو کوئی نہیں سمجھ سکتا اسی طرح " وحی " کی حقیت بھی کوئی نہیں سمجھ سکتا سوائے ان کے کہ جنکی طرف منجانب خدا وحی بھیجی جاتی ہے اور یہ ایک مسلہ امر ہے کہ قرآن مجید قلب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بذریعے وحی نازل ہوا ہے جیسا کہ ارشاد خداوند عالم ہے نزل بہ الروح الامین ○ علیٰ قلبک (سورۃ الشعراء آیت نمبر ۱۹۳) یعنی کہ جسے جبرئیل امین قلب رسولؐ پر لے کر نازل ہوئے ہیں یہ ایک ایسا اشارہ ہے وحی کی طرف کہ اس کی حقیقت کو کوئی شخص نہیں سمجھ سکتا۔ سوائے ان کے جو صاحبان وحی میں ہیں اور نہ انکار کر سکتا ہے کیونکہ قرآن کے کسی لفظ یا آیت کا انکار کرنا کل قرآن کا انکار کرنا ہے اور منکر قرآن دائرہ اسلام سے باہر ہے۔ اور یہ بھی مسلہ حقیقت ہے کہ قرآن مجید الواح کی شکل وصورت میں نازل نہیں ہوا ہے پس سوال ہو سکتا ہے کیا وحی کی حقیقت وماہیت معلوم کرنیکا کوئی شخص مکلف ہے یا نہیں؟

جبکہ حقیقت وماہیت وحی سمجھ میں آنے والی نہیں ہے تو کیا کوئی شخص معاذ اللہ " وحی سے انکار کر سکتا ہے حالانکہ وحی نبی وغیر نبی میں مابہ الامتیاز ہے لہذا وحی کا انکار نبوت سے انکار ہے اسی طرح جیسا کہ ذکر کیا جا چکا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نور کی حقیقت وماہیت کسی کو معلوم نہیں ہے اور نہ ہی کوئی اس کو کوئی سمجھ سکتا ہے نہ تعریف نور کی جا سکتی ہے جسکی بنا پر بعض علماء یہ بھی کہتے ہیں کہ نبیؐ وامامؑ نور و بشر ہونیکے متعلق بحث کرنا عبث ہے۔ جس کے نتیجہ میں محمد وآل محمد کی خلقت نوری سے انکار کرتے ہیں ہم ان علماء سے سوال کرنا چاہتے ہیں کہ جبکہ وحی اور نور دونوں ہی کی حقیقت معلوم نہیں ہو سکتی تو جسطرح نبیؐ وامامؑ کی خلقت نوری کا انکار کیا جا رہا ہے تو کیا اسی طرح وحی والہام سے بھی انکار ہے۔ ظاہر ہے کہ وحی کی حقیقت وماہیت سوائے ان کے کہ جو صاحبان وحی ہیں کوئی شخص نہیں جانتا اسی لیے وحی کا ترجمہ لفظ وحی کے ساتھ کیا جاتا ہے اسی طرح لفظ نور کا ترجمہ بھی لفظ نور سے کیا جاتا ہے وحی اور نور لازم وملزوم ہیں۔ پس وحی ہو یا نور۔ ان میں سے کسی لفظ کو معمہ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ قرآنی الفاظ معمہ نہیں ہوا کرتے خواہ ان کی حقیقت اور معنویت کسی کو معلوم ہو یا نہ

ہو کیونکہ قول معصوم نص ہوتا ہے اور غیر معصوم کا قول اجتہاد کہلاتا ہے چونکہ پیش نظر مسئلہ نور فقہی نہیں ہے کہ کسی مجتہد کا قول سند متصور ہو ہو۔ پس حضرات محمد وآل محمد کی خلقت نوری کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ طین کی نسبت دیکھ کر ان کو من باب المجاز نور کہنا دیانتداری کے خلاف ہے اس قسم کے نظریات سے اجتناب کرنا چاہیئے۔





اَنَاوَعَلِیٌّ مِنْ نُوْرٍ وَّاحِدٌ

(حدیث نبویؐ)

حدیث پیش نظر شیعی دنیا میں محتاج تعارف نہیں ہے۔اس حدیث مبارکہ کو اکثر تعداد میں اہلسنت نے بھی مختلف کتب میں نقل کیا ہے یہ حدیث آٹھ صحابیوں سے مروی ہے یعنی حضرت امیر المومنین علی ابن ابطالب (ع) حضرت امام حسینؑ جناب سلمان فارسیؓ جناب ابو ذر غفاریؓ جناب جابر بن عبداللہ انصاریؓ جناب عبداللہ بن عباس ابو ہریرۃ انس بن مالکؓ (اسمائے مخرجین حدیث نور اور حوالہ جات کتب کے لیے از صفحہ نمبر ۳۲۵ تا صفحہ ۳۲۸۔ کتاب البلاغ المبین مصنفہ جناب آغا محمد سلطان مرزا صاحب ایم اے ایل ایل بی ریٹائرڈ دسٹرکٹ دسشن جج صدر شیعہ مجلس اوقاف دہلی ملاحظہ فرمائیں) حدیث نور سے حضرت امیر المومنین علی ابن ابطالب (ع) کا امر نبوت میں شریک ہونا اظہر من الشمس ہے۔اس موقع پر ایک امر کی وضاحت کرنا بھی ضروری ہے وہ یہ ہے کہ امر نبوت میں شرکت کے کیا معنی ہیں یہاں شرکت سے یہ مراد نہیں ہے کہ ایک رسالت کے دو ٹکڑے ہوگئے۔آدھی ایک کو مل گئی اور آدھی دوسرے کو مل گئی۔بلکہ یہ تائیدی شرکت تھی یعنی رسولؐ کے امر رسالت میں خدا کی طرف سے حمایت اور گواہی کیلئے مقرر ہونا۔اور بطور امر واقعی حمایت اور مدد کرنا تاکہ نائب (علی (ع)) کا فعل اصل (رسول خدا) کا فعل سمجھا جائے اور نائب کے فعل کی ذمہ دار اصل پر عائد ہو جائے پس شرکت امر نبوت بایں معنی ہے کہ آنحضرت (ص) کے نائب و خلیفہ بلا فصل کا شاہد نبوت ہونا یقینی امر ہے۔ماخوذ از" کتاب البلاغ المبین "اسی شرکت امر نبوت کی وضاحت دعوت ذوالعشیرہ سے بھی ہوتی ہے۔کیونکہ شرکت امر نبوت بذاتہ بطور صفت نور ہے نہ علم کہ جس پر منجانب خدا نبوت منحصر ہے وہ بھی نور ہے۔پس آنحضرتؐ اور آپ کے جانشین منصوص من اللہ کی خلقت نوری یقینی ہے لیکن مقصرین کہتے ہیں کہ

حضرات محمدؐ وآل محمدؐ ۔ من باب المجاز نور ہیں (یعنی کہ حقیقت میں نور نہیں) حالانکہ یہ مسلمہ امر ہے کہ حقیقت اور مجاز میں بعد المشرقین ہے ۔ ہم اس مقام پر صرف ایک روایت سپرد قرطاس کرتے ہیں کہ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انا و علیؑ من نور واحد ایک ایسی حدیث ہے کہ جو حدیث اول ماخلق اللہ نوری سے عبارت ہے ۔ روایت حسب ذیل ہے: ۔

حدیث نور: ابراہیم بن ابی بکر بن ابی الحسن بن محمد بن حمویہ نے اس حدیث نور کو مختلف اسانید و متعدد طرق کے ساتھ بیان کیا ہے چنانچہ ہم ان کی کتاب فرائد السمطین فی فضائل المرتضیٰ والبتول والسبطین سے نقل کرتے ہیں: ۔ (صرف ترجمہ) حضرت سلمان فارسیؓ کہتے ہیں کہ سنا میں نے جناب رسول خدا کو فرماتے ہوئے کہ میں اور علیؑ ایک نور سے پیدا کئے گئے ہیں جو عرش الٰہیٰ کے سامنے خلقت آدمؑ سے چودہ ہزار برس پہلے خداوند عالم کی تسبیح و تقدس کر رہا تھا جب خداوند عالم نے آدم کو پیدا کیا تو ہم اصلاب مردان طاہر و ارحام مطہرہ میں سے منتقل کیئے گئے یہاں تک کہ ہم صلب عبدالمطلب سے منتقل ہوئے ۔ وہاں ہم کو دو برابر کے حصوں میں تقسیم کیا گیا ۔ اس کا ایک حصہ یعنی کہ نصف صلب عبداللہ پدرم میں اور دوسرا نصف صلب عموی ابو طالب میں آیا ۔ بس میں اس نصف میں سے پیدا کیا گیا کہ جو صلب عبداللہ میں تھا ۔ اور میرا بھائی علیؑ اس دوسرے نصف میں سے پیدا کیا گیا جو صلب ابو طالب میں تھا ۔ اور ہمارے ناموں کو بھی خدا تعالیٰ نے خاص اپنے ناموں سے مشتق کیا چنانچہ خدا تعالیٰ محمود ہے اور میں محمد ہوں ۔ خدا تعالیٰ اعلیٰ ہے اور میرا بھائی (ابن عم) علی ہے خدا فاطر ہے میری بیٹی فاطمہؑ ہے ۔ خدا حسنؑ ہے اور میرے دونوں فرزندان حسنؑ و حسینؑ ہیں ۔ مجھے خدا تعالیٰ نے نبوت و رسالت کے لیے مختص فرمایا اور علی ابن ابو طالب (ع) کو میری خلافت اور شجاعت کیلئے منتخب فرمایا ۔ بس میں رسولؐ اللہ ہوں اور علیؑ سیف اللہ ہیں (ماخوذ از کتاب البلاغ المبین مذکورہ)

اس حدیث مبارکہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حدیث نور آنحضرت (ص) کی نبوت اور جناب امیر المومنین علی (ع) کی خلافت کی دلیل ہے ۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے جیسا کے

مقصرین کہتے ہیں کہ " روایت نور پر عقیدہ نہیں رکھنا چاہے کہ ان حضرات کی خلقت نوری حقیقی معنی میں نہیں بلکہ من باب المجاز ہے " تو پھر ان کے اسمائے مبارکہ کا خداوند تعالیٰ کے اسماء مبارکہ سے مشتق ہونا کیا معنی؟ بھی پس اگر حضرات محمدؐ وآل محمدؐ کی خلقت بھی نوری ہو تو کونسے تعجب کی بات ہے اور اگر ان کی خلقت کو نوری تسلیم نہ کیا جائے تو اس سے یہ ہی ترشح ہوتا ہے کہ حضرات محمد وآل محمد (ص) خدا کی صفات کے مظہر نہیں ہیں۔ حالانکہ حدیث نور خود مظہر صفات خدا کی دلیل ہے۔ حدیث نور کی تائید کئی دوسری احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ حدیث نور کی تائید حدیث شجرہ سے بھی ہوتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ فرمایا جناب رسول خداؐ (ص) نے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو مختلف درختوں سے پیدا کیا اور میں اس درخت کی جڑ ہوں اور علیؑ اس کا تنا (فرع) ہیں فاطمہؑ اس کے پھل ہیں اور حسنؑ و حسینؑ اس کے ثمر ہیں پس جس نے اس درخت کی شاخوں میں سے ایک شاخ کو پکڑ تو اس نے نجات پائی اور جو منحرف ہوا وہ گمراہ ہوا۔

جنہوں نے اسلامیات کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ فتح خیبر حضرت علی ابن علیہ السلام کی قوت کی مظہر ہے۔ آپ نے مرحب وعنتر کو قتل کر کے مسلمانوں کی مشکل کشائی کی دوران جنگ میں سپر ہاتھوں سے گر پڑی تو خیبر کا در آہنی اکھیڑ کر اس کو سپر بنالیا اور لڑے یہاں تک کہ قلعہ فتح ہو گیا۔ فتح کے بعد جب آپ نے اس دروازہ آہنی کو پھینکا ہے تو ستر آدمی ملکر اس کو ایک پہلو سے دوسرے پہلو پر پلٹ نہ سکے۔ فتح خیبر کے بعد حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور لشکر اسلام فاتحانہ انداز میں مال غنیمت لیے ہوئے مدینہ پہونچا۔ آنحضرت (ص) اور تمام اصحاب اور حضرت امیر المومنین علی ابنؑ ابو طالب سب کے سب مسجد میں رونق افزا ہوے اس خوشی کا اندازہ وہی اصحاب کر سکتے تھے کہ جنہوں نے برو لپنے چالیس دن تک شکست کھائی تھی اور بالاخر حضرت علی ابن ابطالب (ع) نے خیبر فتح کیا۔ اس وقت ایک صحابی نے حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام سے سوال کیا۔ یا امیر المومنین در خیبر تو اسقدر وزنی تھا کہ جسکے ایک پہلو کو دوسرے پہلو پر ستر آدمی ملکر پلٹ نہ سکے اور آپ

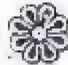
نے اس کو اکھیڑ کر سپر بنالیا۔ کیا آپ نے در خیبر اپنی قوت بشریہ سے اکھاڑا تھا،

یہ سوال آنحضرت (ص) اور تمام اصحاب کے گوش زد ہوا۔ لوگوں کی نگاہیں امیر المومنینؑ کی طرف اٹھیں۔ اور حضرت امیر المومنین علی ابن ابطالب (ع) نے فرمایا۔

ما قلعت باب خیبر من قوت انسانیه ولکن من قوة ربانیه ونفس نبوۃ ربها مضیا

اس ارشاد مبارک میں یہ الفاظ کہ "ونفس بنور ربھا مضیاً" یہ ظاہر کر رہا ہے کہ قلب امیر المومنین جلوہ گاہ نور خدا ہے۔ اور قوت حقیقت میں نور ہے بس حضرت علی (ع) مظہر نور خدا ہیں اور انا وعلی من نور واحد اس امر کی دلیل ہے کہ آپ جزو نور رسالت ہیں اس مقام پر سوال ہو سکتا ہے کیا نفس بنور ربھا مضیا من باب المجاز نور ہے؟ مقام حیرت ہے کہ جبکہ آنحضرتؐ اور حضرت علی مرتضیٰ (ع) کے ارشادات یہ ہیں کہ ہماری خلقت اولیٰ نور سے ہوی ہے تو پھر احادیث سے انکار کرنا کیا معنی؟ یہ چیز تمام اہل ایمان کیلئے لمحات فکریہ کی طالب ہے





حضرت فاطمہ زہرا (ص) کی خلقت نوری

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا کہ اول مخلوق نوری ہے اور وہ وجود مبارک محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ ارشاد فرمایا ہے اول ماخلق اللہ نوری کہ سب سے پہلے خداوند عالم نے میرے نور کو پیدا کیا ہے جناب انس بن مالک راوی ہیں کہتے ہیں کہ آیتہ مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح الخ کی تفسیر فرماتے ہوئے سرور کائنات نے ارشاد فرمایا ہے کہ اے جابر خدا نے میرے نور کو اس وقت خلق فرمایا کہ جب کچھ نہ تھا ذات خداوند عالم گوشہ وحدت میں محجوب و مستور تھی۔ میں اس مقام پر حدیث کا اقتباس سپرد کتاب کرتا ہوں جو کہ یہ ہے:۔

فاما اراده الله اصعة ففتق نوری فخلق منه العرش فنور العرش من نوری و نوری من نور الله وانا افضل من العرش ثم افتق نور علی فخلق مه الملائکة فنور الملائکة من نور علی ونور علی ابن ابطالب من نور الله فعلی افضل من الملائکة ثم فتق نور ابنتی فاطمة فخلق منه السموت، والارض فنور السموبت والارض من نور فاطمة ونور فاطمة: من نور الله وفاطمه افضل من السموات والارض ثم فتق نور الحسن الخلق منه الشمس والقمر فنور الشمس والقمر من نور الحسن انور الحسن من نور الله والحسن افضل من الشمس والقمر ثم فتق نور الحسین فخلق منه الجنت و حور العیون فنور الجنة وحور العین من نور الحسین او نور الحسین من نور الله والحسین افضل من الجنة وحور العین.

- - - - -

پس جب اللہ تعالیٰ نے اپنی صنعت کاملہ کو ظاہر فرمانا چاہا تو میرے نور کو شگافتہ کیا اور اس سے

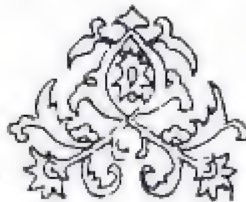
عرش کو خلق فرمایا۔ پس نور عرش میرے نور سے ہے اور میرا نور نور خدا سے ہے پس میں عرش سے افضل ہوں پھر خدا نے نور علیؑ کو مشتق کیا اور اس سے ملائکہ خلق فرمائے پس نور ملائکہ نور علیؑ سے ہے اور نور علیؑ نور خدا سے بس علیؑ ملائکہ سے افضل ہیں۔ پھر میری بیٹی فاطمہؑ کے نور کو شگافتہ کیا تو اس سے آسمان وزمین بنائے پس نور فاطمہ نور خدا ہے لہذا فاطمہ زمین وآسمان سے افضل ہے پھر نور حسنؑ کو مشتق کیا اور اس سے شمس وقمر بنائے پس نور شمس وقمر نور حسنؑ ہے اور نور حسنؑ نور خدا سے ہے بس حسن شمس قمر سے افضل ہے پھر خدا نے نور حسینؑ کو مشتق کیا اور اس نے جنت اور حوریں بنائیں اور نور جنت وحور العین نور حسینؑ سے ہے اور نور حسنؑ نور خدا سے ہے پس حسینؑ جنت اور حور العین سے افضل ہے۔

اس حدیث مبارکہ میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں فتق نور ابنتی فاطمۃؑ ۔ کہ میری بیٹی فاطمہؑ کے نور کو شگافتہ کیا اور اس سے آسمان وزمین بنائے۔ میں اس مقام پر لفظ "ابنتی" کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں انحضرتؑ نے ابنتی فرمایا ہے کہ میری بیٹی۔ جو واحد کا صیغہ ہے اور پھر نام بھی لیا ہے کہ فاطمہ میری بیٹی یہ دونوں چیزیں اس بات کی دلیل ہیں کہ فاطمہ زہرا (س) انحضرتؑ کی اکلوتی بیٹی ہیں آپ کی کوئی اور بیٹی نہیں ہے۔ اگر کوی اور بیٹی ہوتی تو اس کا نام بھی حدیث میں پایا جاتا۔ بس جناب فاطمہ زہرا (س) انحضرتؑ کی اکلوتی بیٹی شریک نور ہیں جزو رسالت میں ہیں انہی فضائل کے لیے انحضرتؑ نے فرمایا ہے فاطمۃ بضعتہ منی کی فاطمہؑ میری بضاعت پونجی اور ٹکڑا ہے (صحیح مسلم جلد دوم باب فضائل فاطمہؑ صفحہ ۲۹۰ ملاحظہ ہو)

معتبر ترین روایات سے ثابت ہے کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا جب محراب عبادت میں نماز کیلئے کھڑی ہوتیں تو آپ کی پیشانی مبارکہ سے نور ساطع ہوتا تھا جس سے درودیوار روشن اور سفید ہو جاتے تھے اور وقت نماز ظہر زرد رنگ کا نور ساطع ہوتا تھا۔ اور نماز عصر کے وقت سرخ رنگ کا نور ساطع ہوتا تھا اور آثار نور درودیوار مدینہ پر ظاہر ہوتے تھے چونکہ آپ نور محمدی (ص) کا جزو ہیں۔ لہذا اظہور نور ہونا لازمی تھا۔ روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ

شہزادے امام حسنؑ امام حسینؑ شب کے وقت انحضرت (ص) کے گھر آرام کر رہے تھے بچپنے کا عالم بیدار ہوئے تو اپنے نانا سے بضد کہا کہ ہم تو اپنی امان کے پاس جائیں گے انحضرتؐ نے کھجور کی ایک سوکھی ہوئی شاخ اٹھای اپنا دست مبارک اس سے مس کیا اور اسمیں شعاع نور پیدا ہوا اور اس کی روشنی میں دونوں شہزادے اپنے گھر تشریف لے گئے۔

عن رسول اللہ (ص) وانما سمیت فاطمہ بالبتول لانہا تبتلت من الحیض والنفاس لان ذالک عیب فی بنات الانبیاء اوقال نقصان۔ (مودۃ القربیٰ موئفہ سید علی ہمدانی شافعی سنی المذہب یعنی کہ انحضرتؐ (ص) سے مروی ہے کہ فاطمہ کا نام بتول اسی سبب سے ہوا ہے کہ وہ حیض ونفاس سے بالکل پاک ہے۔ کیونکہ یہ (حیض ونفاس کا آنا) مرسلین کی بیٹوں میں عیب یا بروایتے دیگر نقص ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب سیدہ عالمینؑ ان عوارض سے جو نوع انسانی میں عورتوں کو لاحق ہیں اور موجب نجاست بھی ہیں خداوند تعالیٰ نے ان کو پاک ومنزہ خلق کیا ہے اس روایت کو طبری ابن حجر علامہ قندوزی اور دیلمی نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے آپ بالفطرۃ طاہرہ ہیں سوال ہو سکتا ہے۔ کیا حضرت فاطمہ زہرا (ص) من باب المجاز بتول ہیں حالانکہ آپ بتول عذرا ہیں اسکے معنی ہیں تابندہ۔ روشن ہونا کیونکہ آپ کا نور اسمانوں کو روشنی بخشتا تھا بس جناب معصومہ دوعالم حقیت میں نور سے خلق ہوئی تھیں۔



حضرت سید الشہدا امام حسین (ع) کے سر بریدہ سے نور ساطع ہونا

علامہ مجلسی بحا الانوار میں صاحب کامل السقیفۃ صاحب مناقب اور شیخ ابن نما روایت کرتے ہیں کہ ابو مخنف کہتا ہے کہ عمر بن سعد ملعون نے سر بریدہ امام حسین (ع) خولی اصبحی کو دیا کہ ابن زیاد کے پاس لیجائے۔ خولی ملعون شب کے وقت کوفہ پہونچا اس وقت ابن زیاد ملعون کے قصر کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ خولی سر امام حسین (ع) لے کر اپنے گھر پہونچا۔ اس کی دو بیویاں تھیں ایک قبیلہ بنی اسد سے جو بنی اسدیہ کے نام سے موسوم تھی۔ دوسری قبیلہ خضرم سے تھی اور یہ خضرمیہ کے نام سے مشہور تھی۔ خولی ملعون نے سر امام حسین (ع) ایک تنور میں رکھدیا اور تنور کا موںہ بند کر دیا۔ جب خولی سونے لگا تو خضرمیہ نے اس سے پوچھا کہ تو اتنے عرصہ سے باہر رہا تو کہاں سے آتا ہے اور کیا لایا اس نے کہا کہ سر حسینؑ بن فاطمہؑ لایا ہوں۔ اس عورت نے کہا وائے ہو تجھ پر کہ جو سر فرزند پیغمبر خدا لایا ہے اس سر کو کہاں لیجائے گا وہ کہنے لگا کہ صبح دم اس سر کو ابن زیاد کو پیش کرونگا اور انعام حاصل کرونگا۔ اس کی زوجہ نے جب سنا تو کہنے لگی اے مردود اب میں تیرے پاس نہیں رہونگی۔ اور اس نے گریہ وزاری شروع کی۔ اس کی یہ حالت دیکھکر وہ ملعون اپنی دوسری زوجہ اسدیہ کے کمرہ میں جا کر سو گیا۔

خضرمیہ اپنے کمرہ سے باہر نکلی وہ کہتی ہے کہ واللہ انظر الی نور ساطع مثل العمود یسطع من الاجانۃ فیھا راس الحسین۔ یعنی کہ بخدا یگانہ جب میں نے تنور کہولا دیکھا کہ ایک نور سر امام حسینؑ سے ساطع ہو رہا ہے اور تہوری ہی دیر میں کچھ سفید پرندے آسمان سے نازل ہوئے اور تنور کا طواف کرنے لگے۔ مقتل ابی مخنف میں ہے کہ صبح تک اس تنور سے قرآن کی تلاوت کرنے کی آواز آتی رہی اور وہ تلاوت اس آیت پر ختم ہوئی۔ سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

(سورۃ الشعرا۔ آیت نمبر ۲۲۷)

کتاب روضۃ الشہداء اور کتاب دستوری میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ جعفر مبیہ نے مدہوشی کے عالم میں دیکھا کہ حضرت فاطمہ زہرا(س) تشریف لائی ہیں انہوں نے سر حسینؑ کو اٹھا کر بوسہ دیا۔اور فرمایا اے میرے نور نظر تجھے مظلوم بنا کر شہید کیا۔(ملاحظہ ہو ریاض القدس حصہ دوم۔سوئم آقای صدر الدین قزوینی) صفحہ نمبر۲۲۴ تا ۲۲۵

یہ روایت عام طور تمام واعظین اور ذاکرین بیان کرتے ہیں کہ سر بریدہ امام حسینؑ (ع) سے نور ساطع ہوا۔سوال ہو سکتا ہے کیا یہ شان اعجاز تھی۔ہم اس سے انکار تو نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ امام سے جو شہید راہ خدا ہے معجزہ ہمہ وقت ظاہر ہو سکتا ہے لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ نور کا ساطع ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ حضرات محمد وآل محمد کی خلقت نوری ہے جسطرح کہ حضرت رسول خداؐ (ص) نے اپنی حیات ظاہری میں جب چاہا آپ نے اپنے نور کو ظاہر فرما دیا۔(اس کا ذکر اسی کتاب میں کیا جا چکا ہے) اسی طرح حضرت امام حسین نے بھی جب چاہا اپنے نور کو ظاہر فرما دیا۔کیونکہ امام (ع) کیلئے حیات ظاہری اور حیات باطنی یکساں ہے اور ان کی قوت عمل۔معطل نہیں ہوتی۔ہم مقصرین حضرات سے ایک سوال کرتے ہیں جو کہ یہ ہے:۔

س۔کیا وہ نور کہ جو سر بریدہ حضرت امام حسین (ع) سے تنور میں ساطع ہوا من باب المجاز نور تھا؟



کنت اول الانبیاء فی الخلق و اخرھم فی البعث

(حدیث نبویؐ)

حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے کہ خداوند عالم فرماتا ہے کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت لکی اعرف۔ کہ میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا مجھے محبوب ہوا کہ پہچانا جاؤں اس لیے میں نے مخلوق کو خلعت وجود عطا کیا یہیں سے یہ امر منکشف ہوتا ہے کہ حقیقت میں جو اول مخلوق ہے وہی وسیلہ معرفت ہے اور وہ بذاتہ اس درجہ معرفت بر فائز ہے کہ جس قدر معرفت خود خداوند کو وقت تخلیق اول مخلوق مطلوب تھی۔ اور معرفت اخص علم ہے لہذا اول مخلوق کا علم۔ علم لدنی و وہبی ہے اور معرفت بھی وہبی ہے چنانچہ احادیث سے ثابت ہے کہ علم بھی عطیہ خداوند عالم ہے اور معرفت بھی اس کی طرف سے ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں اس کے حصہ میں آئی ہیں یعنی کہ جو اول مخلوق ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے اول ماخلق اللہ نوری کہ خداوند عالم نے سب سے پہلے میرے نور کو خلق فرمایا ہے۔ ہم تحریر کر چکے ہیں کہ حدیث ثقہ اور صحیح رواۃ پر مبنی ہے اور حدیث نور کو حضرت امیر المومنینؑ علی ابن ابیطالب (ع) اور امام حسین (ع) نے اور چھ جلیل القدر اصحابؓ نے روایت کیا ہے حدیث کی صحت چونکہ اظہر من الشمس ہے۔ انکار کی گنجائش نہیں ہے لیکن بعض علماء نے انکار حدیث کرنے کی بجائے یہ طریقہ اختیار کیا کہ نور کی حقیقت کو آج تک کوئی نہیں سمجھ سکا پس حضرات محمد وآل محمد (ص) من باب المجاز نور ہیں یعنی کہ حقیقت میں نور نہیں ہیں۔ ایسے لوگ یہ خیال نہیں کرتے کہ جب نور کی حقیقت ہی معلوم نہیں تو اس کو من باب المجاز نور کہنا کیا معنی؟۔ آنحضرت (ص) چونکہ اول مخلوق اور نوری مخلوق ہیں لہذا آنحضرت (ص) ہی وسیلہ معرفت ہیں اور یہ مسلمہ امر ہے کہ خالق و مخلوق کے درمیان نبی اور امام وسیلہ معرفت خدا ہوا کرتا ہے کتاب مقصد اقصیٰ سعد الدین حموی سے منقول کہ اول مخلوق کے ہر دو طرف اس جہان میں دو مظہر ہیں اس طرف کا حصہ نبوت ہے اور اس کا نام اول الانبیاء (ص) اور خاتم الانبیاء ہے اور اس طرف کا جنبہ ولایت ہے۔

ولایت حقیقت میں باطن نبوت اور ولایت و نبوت دونوں ذات محمدیہ میں خدا نے جمع کر دی ہیں اور آل محمد(ص) کیلئے ولایت مخص ہے اور ان دونوں صفات کی امتزاجی کیفیت نور ہے۔ اب یہ نور ہی حقیقت میں نبوت اور ولایت ہے چونکہ ظرف بمطابق مظروف ہوا کرتا تو اب گر انبیاء اور حضرات محمد وآل محمد (ص) ہم جیسے بشر تھے۔ تو اس کا یہی مطلب ہے کہ ہر ایک نبی کو نبوت دنیا میں ملی ہے نہ کہ عالم روحانی میں۔ حالانکہ میثاق انبیاءؑ سے ثابت ہے کہ نبوت کا تعلق عالم روحانیت سے ہے نہ کہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد اسی لیے انحضرت (ص) نے فرمایا ہے کہ کنت نبیاوادم بین الماء والطین۔ کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے یعنی کہ آدم ابھی خلق نہ ہوئے تھے یہ بھی فرمایا ہے کنت اول الانبیاء فی الخلق وآخرہم فی البعث۔ کہ میں اپنی خلقت کے ساتھ اول نبی ہوں اور بعثت کے اعتبار سے آخری نبی ہو اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ نبی بحکم الہیٰ عالم روحانیت ہی سے نبی ہوتا ہے مگر بعثت دنیا میں پیدا ہونے کے بعد بس انحضرتؐ ہی سے نبوت کی ابتداء ہے اور انحضرت ہی پر نبوت کا اختتام ہے اور ظاہر ہے کہ دین نبی کے دامن سے مربوط ہے پس جب سے وجود محمدیہ ہے جو اول نبی ہے اس وقت سے دین اسلام ہے اور چونکہ انحضرت پر ہی دین کا اختتام ہے جس پر لانبی بعدی شاہد ہے پس آپ ہی کا دین۔ آخری ہے پس آپ کا دین اور آپ کی نبوت عالمین کو محیط کئے ہوئے ہے۔ آپ کا دین آخری آپ کی کتاب آخری آپ کا قبلہ آخری آپ کی شریعت آخری انحضرت(ص) کے بعد نہ کوئی تازہ شریعت ہے اور نہ ہی کوئی نبی آنے والا ہے جو دعوی نبوت کرے وہ کاذب ہے پس انحضرت کا اول نبیؐ ہونا۔ آپ کی تخلیق نوری پر منحصر ہے پس حضرات محمد وآل محمد (ص) اور انبیاءؑ سابقین۔ نوع انسان کی ایک ایسی نوع ہیں کہ جسمیں باعتبار کمالات وصفات کوئی دوسرا انسان شریک نہیں ہے اور ان کا جداگانہ ہونا بظاہر یوحیٰ الی سے مربوط ہے اور ان کی بشریت کی حقیقت کو کوئی دوسرا انسان نہیں سمجھ سکتا سوائے ان کے کہ جو نور اور طینت اجسام میں ان کے ساتھ شریک ہیں پس یہ کہنا درست نہیں ہے کہ انبیاء اور ائمہ (ع) ہم جیسے بشر ہیں۔

حضرات محمد وآل محمد (ص) مثل بشر ہیں نہ کہ عین بشر

آیت: قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا (سورۃ الکہف ایت نمبر ۱۱۰)

ترجمہ: (اے رسول کہہ دو) کہ میں بھی (ظاہری طور پر) تمہارے جیسا بشر ہوں (فرق اتنا ہے) کہ میرے پاس وحی آتی ہے کہ تمہارا معبو دیکھتا ہے تو جو شخص آرزو مند ہو کر اپنے پروردگا کے سامنے حاضر ہوگا۔ تو اسے اچھے کام کرنے چاہئیں۔ اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

اس آیہ مجیدہ میں لفظ انا بشر مثلکم وارد ہوا ہے۔ یعنی کہ میں تمہاری مثل ہوں جس کو دیکھ کر بعض لوگوں کا یہ نظریہ ہے کہ پیغمبر مثل بشر نہیں بلکہ عین بشر ہیں (مقصد یہ ہے کہ پیغمبر ہم جیسے بشر ہیں) اور اس کی دلیل میں یہ کہتے ہیں کہ کبھی مثل شی بمعنی عین بشر بھی استعمال ہوتا رہتا ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ اس نظریہ کی حمایت میں کسی دوسری آیات سے استدلال کیا جاتا۔ کیونکہ قرآن کی بعض آیات کی وضاحت بعض آیات سے ہوتی ہے۔ اب ہم تفاسیر کی روشنی میں لفظ "مثل" کی معنوی وضاحت کرتے ہیں جو کہ یہ ہے:۔

تفسیر صافی صفحہ ۳۱۰ پر بحوالہ احتجاج طبرسی طبرسی و تفسیر امام حسن عسکری (ع) ذیل سورۃ منقول ہے کہ آنحضرت (ص) نے اس ایت کی تفسیر میں یوں فرمایا کہ آپ کو یہ حکم پہونچا کہ ان سے کہہ دو کہ میں صورت بشری میں تم جیسا ہوں لیکن جیسا کہ پروردگار عالم عام آدمیوں میں سے کسی کو حسن وجمال کسی کو مال و دولت کے ساتھ کسی کو صحت و عافیت کے ساتھ مخصوص فرمادیتا ہے اس طرح مجھ کو نبوت و رسالت کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے پس تم میری اس خصوصیت کا کیوں انکار کرتے ہو۔ اس آیت کے ذیل میں جناب مولانا سید امداد

حسین صاحب کاظمی مرحوم مترجم نے حاشیہ قرآن صفحہ ۳۹۴ پر یہ تحریر فرمایا ہے کہ آیت میں مشتلم ہے نہ کہ منکم اور مثل کسی شے کا عین نہیں ہوا کرتا۔ قرآن میں لفظ مثل اکثر مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ مثلاً (۱) عجزت ان اکون مثل ہذا الغراب (بمائدہ) اس آیت میں کوے کی مثل کہا گیا ہے تو کیا قابیل کوا تھا حالانکہ اس کے انسان ہونے سے کسی نے انکار نہیں کیا نہ اس کے چونچ تھی نہ کان نہ سیاہ رنگ کے پر تھے وہ کوا نہیں تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مثل بمعنی عین شے نہیں ہوتا۔

(۲) مثل الذین حملوا التوراۃ ثم لم یحملوھا کمثل الحمار یحمل اسفاراO (سورۃ جمعہ رکوع نمبر۱)

اس آیت میں تورات کا عالم نہ اٹھانیوالوں کو گدھے کی مثل کہا گیا ہے حالانکہ وہ لوگ نہ تو گدھے کی جنس سے تھے نہ گدھوں کی طرح ان کے کان اور نہ ویسا جسم تھا اور نہ ویسی آواز تھی۔

(۳) فمثلہ کمثل الکلب (پ اعراف رکوع نمبر۲۲) اسمیں باعم باعور کو کتے کی مثل کہا گیا ہے حالانکہ وہ انسان تھا پس جب انسان کو کوے کتے اور گدھے کی مثل کہنے سے وہ عین کوا عین گدھا اور عین سگ نہیں بن جاتا۔ تو پھر انبیاء کیون کر عین بشر ہو سکتے ہیں انحضرت (ص) یہ فرمائیں اور وہ بھی لفظ "قل" کے تحت فرمائیں کہ میں انسانوں کی مثل ہوں تو انہیں عام انسان کیوں سمجھا جاتا ہے۔ وہی قانون کہ مذکور ہوا یہاں کیوں لاگو نہیں کیا جاتا کہ انحضرت (ص) تھے تو نور مگر مثل بشر تھے۔ حیرت ہے کہ حضرت مریمؑ کے پاس جبرئیل مثل بشر بن کر آے۔ (فتمثل لھا بشراً سویا۔ پ ع نمبر۱) تو لوگ کہتے ہیں کہ فرشتہ تھا بشر حالانکہ صرف صورت بشری تھی نہ کہ عین بشر حضرت ابراہیمؑ کے پاس اور حضرت لوط کے پاس فرشتے اے جو مثل بشر تھے۔ تو قبول کر لیتے ہیں کہ ہاں واقعی وہ تھے تو فرشتے۔ لیکن ظاہراً شکل و صورت میں بشر تھے لیکن جب ہم کہتے ہیں کہ انحضرت (ص) مجسم نور تھے۔ اور اس پر ایات قرآنی بھی پڑھتے ہیں کہ قد جاء کم من اللہ نور (پ رکوع نمبر ۳ سورۃ مائدہ) تو کہتے ہیں ہم نہیں مانتے جسطرح فرشتے اگر اپنی اصلی شکل و صورت میں آئیں تو یہ مادی لوگ فرشتوں کو نہیں دیکھ

سکتے۔ اسی طرح آنحضرت (ص) مجسم نور تھے اور نور غیر مری ہوتا ہے یعنی دکھائی نہیں دیتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں مثل بشر بنا کر بھیجا ہے (کافرانہ سوچ ہے) تاکہ نظر آسکیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ کے بدن مبارک کا سایہ نہ تھا۔ کیونکہ نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ یاد رکھیں نبی کو عام بشر کہنا۔ قول کافرین ہے کہ وہ ہر ایک نبی کو عام انسانوں کی طرح عین بشر سمجھتے تھے (۱) ابشر یھدوننا (پ ۲۸۔ سورۃ تغابن رکوع نمبر ۲) (۲) فقالوا انومن لبشرین مثلنا (۱۸ مغنوں رکو نمبر ۲) (۳) ما انت الا مثلنا (پ ۱۹ شعراء رکوع نمبر ۲) (۴) ماھذا الا بشر مثلکم (پ ۱۲ رکوع نمبر ۴ سورۃ یوسف) وغیرہ وغیرہ۔ مقام حیرت ہے کہ آج کل کے لوگ شان نبوت سے بالکل بے خبر ہیں۔ اور رسولؐ کو اپنی جیسا بشر کہتے ہیں۔

اب ہم لفظ مثل پر روشنی ڈالتے ہیں وہ یہ کہ فوٹو گرافی کا تو عام رواج ہے مثلاً زید نے اپنا فوٹو تیار کرایا۔ تصویر تیار ہوئی۔ جیسی زید کی آنکھیں ویسی ہی تصویر میں۔ جیسے لب زید ویسے ہی تصویر میں۔ جیسی زید کی پیشانی ویسی ہی تصویر میں۔ گویا تصویر۔ ہو بہو۔ زید کی مثل ہے لیکن پھر بھی اصل (عین) اصل ہے اور مثل۔ مثل ہے کوئی تصویر کو اصلی زید نہیں کہہ سکتا پس مثل اسے کہتے ہیں کہ جو اصل سے مشابہت رکھتا ہو نہ کہ خود اصل ہو تو جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مثل بمعنی عین شے ہوتا ہے صحیح بالکل نہیں ہے۔

اسی طرح انبیاء (ع) کیلئے لفظ بشر مثلکم ہے کہ باعتبار جنس۔ بشریت میں اشتراک ہے اور باعتبار نوع۔ ان کی خلقت نور سے ہوئی ہے اور طین کو بھی نسبت ہے۔ مگر پھر بھی جناب عیسیٰ کی ولادت یہ ظاہر کرتی ہے کہ یہ عین بشر نہیں ہیں۔ تو اس بات پر زور دینا کہ نبی و امام ہم جیسے بشر ہیں اور ان کی خلقت نوری سے انکار کرنا یہ کونسی قسم معرفت ہے؟ بعض لوگوں کا یہ نظریہ ہے کہ حضرات محمد وآل محمد (ص) کوئی دوسری مخلوق ہیں کہ ان کو مثل بشر کہا جائے۔ اس نظریہ والے یہ نہیں سوچتے کہ مثل بشر ہونے کے لیے اولاً جنس بشریت میں شرکت لازمی ہے۔ اگر کوئی شخص حضرات محمدؐ وآل محمدؐ کو جنات کے مقابلہ میں مثل اجنہ کہے تو سراسر غلط ہے کیونکہ قوم جن کی تخلیق طین سے نہیں ہوئی ہے وہ آگ کے تیز دھوئیں

سے پیدا کئے گئے ہیں پس کسی شخص کو جب مثل بشر کہا جاتے گا تو جنس بشریت میں شرکت لازمی ہوگی۔ پس لفظ مثل کے لیئے دوسری قوم سے ہونا لازمی نہیں ہے۔ ہم حضرات محمدؐ وآل محمدؐ کو ظاہری طور پر شکل وصورت کے اعتبار سے مثل بشر کہتے ہیں ورنہ ان کی حقیقت اصلیہ کو کوئی نہیں پہونچ سکتا۔ یہ ذوات مقدسہ "امتزاج نور وطین" کا اعلیٰ شاہکار قدرت ہیں پس ان کو دیکھ کر خداوند عالم کی قدرت پر یقین وایمان استوار کرنا ضروری ہے کہ یہ مثل بشر ہیں نہ کہ عین بشر یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرات محمدؐ وآل محمدؐ (ص) اور تمام انبیاء سابقین خالق اور مخلوق کے درمیان وسیلہ ہیں اسی لیے نبیؐ اور امامؑ میں دو جنبہ ہوتے ہیں ایک جنبہ کا تعلق ذات احدیت سے ہوتا ہے اور دوسرے جنبہ کا تعلق ہمارے ساتھ ہے پس وہ ہمارے ساتھ بشریت میں مشارکت رکھتے ہیں تاکہ ہم ان سے مانوس رہیں اور زیادہ سے زیادہ ان سے استفادہ کریں۔ یہ جنبہ در حقیقت خدائے قدوس کے لیے ہمارے درمیان اس کے فیضان پہونچنے کا ایک وسیلہ ہے کیونکہ خداوند عالم خود نہیں پہونچ سکتا۔ اس لیے اس نے نبیؐ وامامؑ کو جنبہ بشریت عطا فرمایا ہے اور ہماری طرف مبعوث کیا ہے اور ان کے اقوال اور افعال کو اپنی طرف نسبت دی ہے تاکہ لوگ ان ذوات مقدسہ کی اطاعت یہ سمجھ کر بجا لائیں کہ وہ خدا کی اطاعت کر رہے ہیں پس جنبہ بشریت کے اعتبار سے نبیؐ وامامؑ فیوضات ایزدی ہم تک پہونچاتے ہیں۔ اور فیضان خدا پہونچانے پر نبیؐ وامامؑ بالفطرۃ مامور ہیں اور ان حضرات کا دوسرا جنبہ روحانیت کا ہے اور وہ اس لیے ہے کہ ہم بذات خود خدا تعالیٰ تک نہیں پہونچ سکتے۔ اور اوامر ونواہی الٰہی حاصل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ہماری مادیت وبشریت مانع رہتی ہے۔ لہٰذا جنبہ روحانی انبیاء وائمہؑ ہمارے لیے فیوض وبرکات حاصل کرنے میں وسیلہ ہے۔ اور یہ دونوں جنبہ ان کی فطرت سے مربوط ہیں اکتسابی نہیں ہیں (ماخوذ از حقائق الوسائط۔ مولانا محمد بشیر صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ) پس جبکہ نبیؐ وامامؑ میں دو جنبہ ہوتے ہیں تو اگر وہ بھی ہم ہی جیسے عین بشر ہوں۔ اور جیسا کہ مقصرین کہتے ہیں کہ ان میں تمام لوازم بشریہ موجود ہیں تو پھر نبی وامام ہمارے لیے وسیلہ کیسے ہو سکتے ہیں کیونکہ اگر وسیلہ بھی

ہم ہی جیسا ہے تو کارِ ہدایت کیوں کر انجام پذیر ہو سکتا پس ماموریت بصورت وسیلہ مقتضی ہے اس امر کی کہ نبیؑ و امامؑ ہمارے ساتھ بشری صورت میں اشتراک رکھتے ہوں نہ کہ ہماری طرح محتاج ہدایت اور محتاج علوم ہوں لہذا تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ نبیؑ و امامؑ شکل و صورت کے اعتبار سے بشر ہوتے ہیں ورنہ حقیقت کے اعتبار سے یہ اسرار خدا ہیں۔

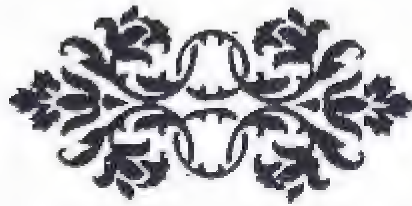


جنس اور نوع کا فرق

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ بشریت نبیؑ و امامؑ (حجت خدا) کے لیے جنس ہے اور کمال ذاتی اس کی فصل ممیز ہے۔ جسکو سمجھنے میں عقول و افہام انسانی عاجز ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ باعتبار جنس نبیؑ و امامؑ بھی بشر ہیں لیکن باعتبار نوع اس لیے جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں کہ ان میں ایسے کمالات ہیں جو منجانب خدا ان کو حاصل ہیں علامہ محمد بشیر صاحب قبلہ انصاری مرحوم و مغفور نے اپنی کتاب حقائق لوسائط میں بحوالہ بحار الانوار تحریر فرمایا ہے کہ۔

۔خدا تعالیٰ کی حکمت بالغہ نے چاہا کہ اپنی مخلوق کو اپنی توحید کی معرفت کرائے اور مخلوق اس کی توحید کی معتقد ہو۔ لیکن چونکہ یہ امر بغیر مرسلین (نبی و امام) ممکن نہیں تھا۔ اور رسولوں کو مبعوث کئے بغیر انجام پذیر نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے کہ ذات احدیت انتہائے کمال و بلندی پر فائز ہے اور اس کی کسی بھی صفات ثبوتیہ کا ادراک احاطہ بشری سے باہر ہے کیونکہ جس طرح اس کی ذات لا محدود ہے اسی طرح اس کی صفات بھی لا محدود ہیں اور مکلفین جو انتہائی پستی پر فائز ہیں وہ کیوں کر معرفت حاصل کریں تا وقتیکہ خداوند تعالیٰ اور انسان کے درمیان کوئی وسیلہ و واسطہ نہ ہو۔ لہذا خداوند عالم نے کچھ سفیر مقرر فرمائے جن پر خدائے تعالیٰ ان کے کمال ذاتیہ کی وجہ سے براہ راست فیض کرتا ہے یعنی بفیض علیہم من حجۃ کما ظم کہ جن پر ان کے کمال کی وجہ سے خدا فیض نازل کرتا ہے۔ اور وہ انہی فیض الہیہ کی وجہ سے جنس بشری میں علیحدہ نوع متصور ہوتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ نبیؑ و امامؑ میں دو جنبہ ہوتے ہیں ایک جنبہ روحانیت اور دوسرا جنبہ بشریت (جو باعتبار جنس ہے) جنبہ روحانیت کا تعلق خدا سے ہے کہ وہ فیض نازل کرتا ہے اور یہ اس کے فیوض سے بہرہ ور ہوتے ہیں اور دوسرا جنبہ مخلوق خدا سے متعلق ہے کہ جس کی بنا پر وہ ان فیوض الہیہ کو اس کی مخلوق تک پہونچاتے ہیں تاکہ لوگوں کو خدا کی معرفت حاصل ہو۔ پس ان کا کمال ذاتی

ان کا جنبہ روحانیت ہے جو عام انسانوں میں نہیں ہے لہذا ان کی نوع اسی جنبہ روحانیت کی وجہ سے علیحدہ ہے۔ بشریت میں چونکہ اشتراک ہے لہذا لوگ ان سے مانوس ہوتے ہیں اور ان کے احکام پر عمل کرتے ہیں اور یہی احکام مجموعی طور پر دین کہلاتے ہے تاکہ جزا مرتب ہو نوع کا اطلاق ان پر ہوتا ہے کہ جن کی حقیقت ایک ہو لہذا جب نبیؑ و امامؑ اور تمام انسانوں کی ایک حقیقت ہوگی تو یہ دونوں ایک نوع کے افراد کہلائیں گے۔ لیکن جب دونوں مختلف الحقائق ہوں تو ان کی جنس صرف ایک ہو سکتی ہے۔ جبتک کہ یہ متفق الحقائق نہ ہوں۔ اگر ایسا ہوتا تو سفراء کی طرح یہ بھی خدا سے براہ راست فیوض حاصل کر سکتے۔ مگر ایسا ناممکن ہے کیونکہ وہ کمال جس کی وجہ سے نبی و امام (سفراء) فیوض حاصل کرتے ہیں وہ عطیہ خدا ہے نہ کہ اکتسابی۔ پس نبی و امام (سفراء) پر کل کا کل فضل یہ عطیہ الہی ہے اس مفہوم کو حضرت حجت عجل اللہ فرجہ نے اپنی توقیع مبارک میں واضح فرمایا ہے جسکا ترجمہ بصورت خلاصہ یہ ہے کہ خداوند عالم نے مخلوقات کو عبث اور فضول پیدا نہیں کیا ہے اور نہ بے لگام چھوڑ دیا ہے انبیاء کو خداوند عالم نے مبعوث کیا ہے ان میں اور جنکی طرف بھجا ہے ان کے درمیان اپنے ایک فضل کے ذریعے فصل وجدای کر دی ہے اور ان کو معجزات عطا کئے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان ذوات مقدسہ کی نوع الگ ہے لہذا مومنین کرام کو چاہیئے کہ تقصیر آمیز نظریات سے اجتناب کریں۔



طنیت اجسام حضرات محمد وآل محمد(ص) کثافت سے پاک ہے

کنز الفوائد میں جناب شیخ صدوقؒ سے روایت ہے کہ ابن عباسؓ نے کہا کہ میں سنا ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی ابن ابطالب (ع) سے فرمایا اے علیؑ خدا تھا اور کوئی چیز اس کے ساتھ نہ تھی۔ تو اس نے مجھے اور تم کو دو روحوں کی صورت میں اپنے نور عظمت وجلال سے خلق فرمایا۔ پس ہم تسبیح وتقدس پرروردگار عالم کرتے رہے جب خدا نے چاہا کہ ہمارے جسمانی باپ یعنی جناب آدمؑ کو خلق فرما تو خلقنی وایاک من طینۃ واحدۃ من طینۃ علیین سے پیدا کیا۔ وجنا بذالک النور اح تو اے علیؑ مجھ کو اور تجھ کو ایک ہی طنیت علیین سے خلق فرمایا۔ اور اس نور کے ساتھ خمیر کیا اور پھر تمام انہار وجنت میں غوطہ دیا۔ پھر ادم کا پتلا بنایا اور ہماری طنیت اور نور کو پشت آدم میں امانت رکھا۔ اول مخلوق کہ جس نے اقرار ربوبیت خدا کیا میں ہوں اور تم ہو ہم اصلاب طاہر ومطہر میں منتقل ہوتے رہے یہاں تک کہ ہمارا نور صلب عبد المطلب میں پہونچا۔ وہاں سے ہم دو برابر ٹکڑوں میں جدا ہوے ایک نصف سے مجھے پیدا کیا اور مجھے نبوت عطا کی۔ اور دوسرے نصف سے تجھے پیدا کیا اور تجھے مخلوق پر اپنا خلیفہ اور میرا وصی قرار دیا۔ اس حدیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ نور محمد وآل محمد (ص) کیلئے پہلا ظرف جناب آدمؑ کو قرار دیا کہ جنکی طنیت جسمانیہ کا خمیر پاک ہاتھوں سے ہوا ہے پس جبکہ ظرف اول باعتبار طنیت پاک وپاکیزہ ہے اسی لیے انحضرت (ص) نے فرمایا ہے کہ ہمارا نور ہمیشہ پاک اصلاب اور ارحام مطہرات میں منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ عالم بشریت میں ظہور فرمایا۔

کافی میں وارد ہوا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق (ع) نے فرمایا ہے کہ خداوند عالم نے ہمیں اپنے نور عظمت سے پیدا کیا ہے پھر ایک ایسے جزو تخلیقی سے پیدا کیا جو تحت عرش پوشیدہ طور مہیا کیا ہوا تھا۔ ہماری تصویر کشی کی پھر اس نور کو فضیلت بخشی پس اس لیے ہم جداگانہ جسم کے مخلوق اور بشر نورانی ہیں اور جس سے ہم پیدا کئے گئے ہیں اس کا مثل تمام

خلائق میں کسی کو نصیب نہیں ہے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان حضرات کی خلقت اولیٰ بھی نور سے اور ان کی طنیت اجسام بھی نور سے ہے یہیں سے یہ امر بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عین نہیں بلکہ مثل بشر ہیں۔

قال ابو جعفر (ع) یا ابو الحجاج ان اللہ خلق محمد وآل محمد من طینۃ علیین وخلق قلوب من فوق ذالک وخلق شیعیتنا من طینۃ ابدان آل محمد (ص) یعنی کہ حضرت امام محمد باقر (ع) نے فرمایا کہ اے ابو الحجاج خداوند عالم نے اجسام محمد وآل محمد (ص) کو طنیت علیین سے خلق فرمایا ہے اور ان کے قلوب کو اس سے بھی بالاتر طنیت سے پیدا کیا اور ان کے قلوب کو طنیت علیین سے بنایا ہے تو ہمارے شیعیوں کے دل ہم آل محمد (ص) کے ابدان واجسام سے بنے ہیں اسی وجہ سے ان کے دل ہماری طرف جھکتے ہیں۔اور وہ ہم سے محبت کرتے ہیں حضرات معصومین (ع) نے یہ بھی فرمایا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے جسم محمد (ص) کو طنیت جوہرہ تحت عرش سے پیدا کیا ہے اور اسی سے علی ابن ابو طالب (ع) کو خلق فرمایا اور ان کے بعد ہم ائمہ طاہرین کو اسی طنیت سے پیدا کیا ہے۔اور ہمارے شیعیوں کی طنیت اس سے پست درجہ سے ہے اور ہمارے دشمنوں کی طنیت سجین سے خلق ہوئی ہے۔یہ بھی وارد ہوا ہے کہ نبیؑ وامامؑ کا بدن خلقت میں ارواح مومنین کی طرح ہے چونکہ روح مجرد عن المادہ ہے بس نبیؑ وامامؑ کی طرف اگر طین کو نسبت ہے مگر ان کے اجسام میں کثافت کو دخل نہیں ہے بلا تشبیہ جیسے آئینہ ہوتا ہے اس کا مادہ اگرچہ طین ہی کی طرف منسوب ہے مگر جب اس کی کثافت دور کر دی جائے تو لطافت رہ جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ شیشہ اگر دونوں طرف عارضی کثافت سے محفوظ ہو تو اس کا سایہ نہیں پڑتا۔روایات سے ثابت ہے کہ انحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک کا سایہ نہیں تھا چنانچہ اہلسنت حضرات نے بھی اس کی تصریح کی ہے کہ انحضرت (ص) کے بدن مبارک کا کبھی سایہ زمین پر نہیں پڑا اور نہ ہی سورج اور چاند کی روشنی میں آپ کا سایہ نظر آیا۔ممکن ہے کہ بعض لوگ یہ خیال کریں کہ یہ آپ کی معجزانہ شان تھی کہ نہ سایہ پڑا اور نہ ہی کبھی مکھی جسم مبارک پر بیٹھی اور نہ ہی کبھی خوشبو کا جسم مبارک سے آنا بند

ہوا۔ یہ تمام چیزیں بطور معجزہ نہ تھیں کیونکہ معجزہ تو وقتی طور پر مقابل کے طلب کرنے پر ظاہر ہوتا ہے اور آناً فاناً ہوتا ہے لیکن سایہ کا نہ پڑنا خوشبو کا آنا مکھی کا جسم مبارک پر نہ بیٹھنا وقتی طور پر نہ تھا بلکہ یہ تمام امور مستقل طور پر آپؐ سے وابستہ تھے اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ طنیت جسم آنحضرت (ص) عام طینت جسمانیہ انسان سے جدا گا تھی اسی لیے یہ ذوات مقدسہ عین بشر نہیں بلکہ مثل بشر متصور ہوتے ہیں۔

صحیح بخاری میں مروی ہوا ہے کہ آنحضرت (ص) نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم نماز میں مجھ سے پہلے رکوع و سجود میں چلے جاتے ہو۔ اصحاب نے عرض کیا یا رسول اللہ (ص) ہم تو نماز میں آپ کے عقب میں ہوتے ہیں حضور کسی طرح دیکھ لیتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ میں جسطرح انکھوں سے دیکھتا ہوں اسی طرح میں عقب سے بھی دیکھتا ہوں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت (ص) کا جسم مبارک جس طنیت سے وجود میں آیا ہے وہ طنیت کثیف نہ تھی بلکہ نورانی تھی۔ لطیف محض تھی۔ چونکہ آپ میں کثافت نہ تھی لہذا عقب سے دیکھنے میں کوی شے حائل نہ ہوتی تھی اور کثافت کے نہ ہونیکی وجہ سے سایہ بھی نہیں پڑتا تھا جیسا کہ ذکر کیا جا چکا کہ اگر شیشہ کی کثافت دور ہو جاے تو پھر شیشہ کا سایہ نہیں پڑتا بلکہ سورج کی شعاعیں پار گزر جاتی ہیں۔ علاوہ ازیں ہر کثیف شے سے خوشبو بھی نہیں آتی بلکہ جسقدر شے لطیف ہوگی خوشبو آے گی۔ آنحضرت (ص) کے جسم مبارک سے خوشبو کا آنا اظہر من الشمس ہے جیسا کہ حدیث کسا، میں مروی ہے کہ جب آنحضرت (ص) خانہ سیدہ عالم میں اے اور چادر یمانی اوڑھ کر استراحت فرمانے لگے کہ امام حسن و حسین (ع) آئے اور اپ نے اپنی مادر گرامی قدر کو سلام کرنے کے بعد عرض کیا یا اماہ انی اشم رائحۃ طیبۃ کانھا رائحۃ جدی رسول اللہ (ص) یعنی کہ اے امان جان میں ایسی پاکیزہ کنبدہ خوشبو محسوس کر رہا ہوں جیسے کہ میرے نانا جان کی خوشبو اسی طرح۔ امام حسین اور حضرت امیر المومنین (ع) نے فرمایا ہے۔ اس خوشبو پر تین معصوم گواہ اور سیدہ عالمین بی بی فاطمہ زہرا (ع) نے تصدیق خوشبو فرمائی ہے یہ کہکر کہ اے حسن بے شک تمہارے نانا جان اس چادر یمانی کے نیچے آرام فرما ہیں یہ ظاہر کر

رہا ہے کہ خوشبو اور رسول خدا (ص) میں التزام واقعیہ ہے۔
اس مقام پر ہم یہ سوال کرنا چاہتے ہیں کیا یہ خوشبو بھی مثل نور من باب المجاز تھی پس مذکورہ خصوصیات جسم اطہر نبویؐ ظاہر کرتی ہیں کہ آنحضرت (ص) کی طینت جسمانیہ عام طینت جسمانیہ انسان سے جداگانہ ہے۔ اور ان حضرات کی خلقت اولیٰ بھی نور سے ہوئی تھی بس یہ حضرات مثل بشر ہیں نہ کہ عین بشر۔ ان کو عین بشر کہنا گناہ عظیم ہے۔



کیا صرف وحی، نبی وغیر نبی کے درمیان مابہ الامتیاز ہے؟

آیت: قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الھکم الہ واحد فمن کان یرجو القاء ربہ فلیعمل عملا صالحا ولا یشرک بعبادۃ ربہ احداO

(سورۃ الکہف آیت نمبر ۱۱۰)

ترجمہ: (اے رسول کہو) کہ میں بھی ظاہری طور پر تمہارا جیسا ایک بشر ہوں (فرق اتنا ہے) کہ میرے پاس وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود یکتا ہے۔ تو جو شخص آرزومند ہو کر اپنے پروردگار کے سامنے حاضر ہوگا تو اسے اچھے کام کرنے چاہیں۔ اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔ عام طور پر اس آیت کو دیکھ کر یہ تصور ہوتا ہے کہ صرف وحی نبی وغیر نبی کے درمیان مابہ الامتیاز ہے۔ حالانکہ اور بھی ایسی خصوصیات ہیں کہ جنکی بنا پر انبیاء و آئمہ (ع) کی نوع۔ عام نوع انسان سے جداگانہ ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ انبیاء اور خصوصاً حضرات محمد وآل محمد (ص) تمام لوازم بشری میں عام لوگوں کی طرح ہوں۔ ان میں صرف وحی کا فرق ہی نہیں ہے اب ہم احقاق الحق جلد نمبر۲ صفحہ ۲۱۲ طبع جدید سے سرکار علامہ نور اللہ شوستری (متوفی ۱۰۱۹) کا ایک ارشاد گرامی نقل کرتے ہیں جو کہ یہ ہے کہ آپ نے ایک سنی عالم رد زبہان کے اس قول کی تردید کی ہے کہ وہ کہتا ہے کہ آیت انما انا بشر مثلکم سے ثابت ہے کہ انبیاء عام لوگوں کی طرح ہیں صرف وحی کا فرق ہے۔ علامہ اعلیٰ اللہ مقامہ نے اسطرح اس نظریہ کی تردید فرمائی ہے۔

"ان القول بمثل ھذا المماثلۃ سیما مع ماذکرہ الناصب من التاکید والحصر لا غیر یخالف تصریحھم نبوریۃ النبی بل سائر الانبیاء۔

یعنی کہ مذکورہ آیت سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ نبی عام انسانوں کی مثل ہے اور سوائے وحی کے

اور کوئی فرق نہیں جیسا کہ ناصب (روزبیان) نے اسے تاکید لاغیر کے ساتھ حصر کر دیا ہے اس کا یہ عقیدہ ہمارے عقیدہ کے مخالف ہے۔ کہ شیعہ علماء نے تصریح کر دی کہ انحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام انبیاء نوری مخلوق تھے (اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نوری ہونا بھی خصوصیات نبویؐ میں سے ایک ایسی تخصیص ہے کہ جو نبی اور غیر نبی میں مابہ الامتیاز ہے مقام حیرت ہے کہ پھر بھی مقصرین لوگ حضرات محمدؐ وآل محمدؐ کے متعلق یہی کہتے ہیں کہ یہ حقیقت میں نور نہیں بلکہ من باب المجاز نور تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روزبیان کا نظریہ زندہ کیا جارہا ہے "معاذ اللہ"

ہم نے اسی کتاب میں بعنوان "حضرات محمد وآل محمد (ص) مثل بشر ہیں نہ کہ عین بشر" بعض دوسری خصوصیات پر روشنی ڈالی ہے کہ جو نبی اور غیر نبی میں مابہ الامتیاز ہیں۔ یہ بھی ایک مسلمہ امر ہے کہ انحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تمام طرق وحی ختم ہیں آپ کا نطق وحی ہے یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ بذریعہ فرشتہ ہی وحی نازل ہو۔ جیسا کہ شب معراج انحضرت سے خداوند عالم نے کلام فرمایا کہ یہاں فرشتہ واسطہ نہیں تھا۔ امام منصوص من اللہ پر بھی وحی ہوتی ہے جو کہ وحی عمل ہے (جب کہ سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۷۳ سے ثابت ہوتا ہے اور نبی پر جو وحی ہوتی ہے وہ وحی تشریعی ہوتی ہے یا انبیاء سابقین کے حالات سے متعلق وحی ہوتی ہے پس جبکہ وحی کے ہونے پر امامؑ نبی جیسے نہیں تو پھر حضرات محمد وآل محمد (ص) عام انسانوں جیسے کیونکر یہ چیز ایک لمحہ فکریہ کے طالب ہے۔



کیا انبیاء(ع) کی حثیت و ماہئیت سے بحث کرنا عبث ہے؟

یہ ایک ایسا نظریہ ہے کہ جو عرصہ دراز سے شیعہ قوم میں گشت کر رہا ہے کہ انبیاء(ع) کی حقیقت و ماہئیت سے بحث کرنا عبث ہے۔ اس نظریہ کی اشاعت کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ "اس بحث کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ وہ بشر ہیں یا نور ہیں تو معصوم اور واجب الا طاعت ہمارا اصلی کام ان کے ارشادات و احکام کی تعمیل کرنا ہے نہ کہ ان کی حقیقت و ماہئیت سے بحث کرنا" اس قسم کے نظریات اس چیز پر منتج ہوتے ہیں کہ انبیاء و مرسلین اور حضرات محمد وآل محمد ہم جیسے بشر ہیں حالانکہ انبیاء وائمہ (ع) کو اپنا جیسا بشر کہنے والے لوگ حقیقت سے دور نظر آتے ہیں چونکہ اہل ایمان کے عقائد پر ان نظریات کا تذبذب خیز اثر پڑتا ہے بنا بریں ہم حقیقت و ماہئیت انبیا پر روشنی ڈالتے ہیں کیونکہ ہر مکلف شخص کیلئے ضروری ہے کہ ہر اس چیز پر اعتقاد راسخ رکھے کہ جو قرآن میں پائی جاتی ہے۔

خداوند عالم نے قرآن مجید میں مومن کی یہ شان بیان فرمائی ہے اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ.

(سورۃ البقرآیت نمبر ۲۸۵)

یعنی کہ (ہمارے پیغمبر (محمدؐ) جو کچھ ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے ایمان لائے بعدہ ان نازل شدہ چیزوں میں سے کہ جنکا ایمان سے تعلق ہے اسی آیت میں ذکر فرمایا ہے۔ کل امن باللہ وملائکۃ وکتبہ ورسلہ لانفرق بین احد من رسلہ قف یعنی کہ اور ان کے ساتھ مومنین بھی (سب کے سب خدا اور اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور پھر یہ کہتے ہیں وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ یعنی کہ اور ہم نے تیرا ارشاد سن لیا۔ اور تسلیم کر لیا۔ پروردگار ہمیں تیری مغفرت کی خواہش ہے۔

اس آیۂ مجیدہ کی رو سے اور عقلاً بھی ہر مکلف شخص کیلئے ضروری ہے کہ دین کے تمام اجزاء پر ایمان استوار رکھے نہ کہ بعض اجزاء پر ایمان ہو اور بعض پر نہ ہو۔ ایمان عقیدہ سے

متعلق ہے کہ جسمیں تقلید نہیں ہے البتہ تحقیق کو دخل ہے اب ہم قرآن مجید سے بعض انبیاء (ع) کے حالات ولادت مختصراً سپرد کتاب ہذا کرتے ہیں تاکہ عوام الناس غلط نظریات سے محفوظ رہیں:۔

حضرت ابو البشر جناب آدمؑ سے عالم بشریت میں نبوت کی ابتداء ہوی ہے یعنی کہ آپ بشر (انسان) اور اول نبی ہیں کہ جنکی تخلیق تمام بنی نوع بشریہ میں منفرد ہے کہ خداوند عالم کے حکم سے جبرئیل و میکائیل اسرافیل و عزرائیل آب و آتش خاک و باد کے جوہر لیکر آے اور ید اللہ نے ان کو ممزوج کیا خمیر کیا اور جب خمیر تیار ہو گیا تو جسد آدمؑ تیار ہوا۔ اسمیں روح ڈالی گئ (ہم نے ان تمام چیزوں کا ذکر اسی کتاب کے پہلے عنوان میں کیا ہے) اور جب جناب آدم جنت سے زمین پر اتارے گئے اور آپ کی شریک حیات جناب حوا آپ کے ساتھ زمین پر اتاری گئیں اور پھر ازدواجی نتیجہ پر دنیاے بشر آباد ہوئی اور یہ طریقہ تولید قیامت تک اسطرح برقرار رہے گا۔ اور یہ تمام واقعات اجمالاً قرآن مجید میں وارد ہوے ہیں۔ سوال ہو سکتا ہے کیا ان پر ایمان و عقیدہ استوار کرنا عبث ہے؟

قرآن مجید میں حضرت اسحٰق کی ولادت کی خوشخبری کے سلسلہ میں یہ وارد ہوا ہے ولقد جائت رسلنا ابراھیم بالبشری قالو اسلاما (سورۃ ہود آیت نمبر ۶۹) یعنی کہ اور ہمارے بھیجے ہوے فرشتے ابراہیمؑ کے پاس خوشخبری لے کر آے اور انہوں نے ابراہیمؑ کو سلام کیا۔ (صرف ترجمہ آیات متعلقہ) اور ابراہیمؑ نے سلام کا جواب دیا۔ پھر ابراہیمؑ بلا توقف ایک بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت لیکر آے اور ان کے ساتھ کہانے بیٹھے پھر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس کی طرف نہیں بڑھتے تو ان کی طرف سے بدگمان ہوئے۔ اور جی ہی جی میں ان سے ڈر گئے۔ اس کو وہ فرشتے سمجھے اور کہنے گے آپ خوف نہ کریں ہم تو قوم لوط کی طرف ان کی سزا کیلئے بھیجے گئے ہیں اور ابراہیم کی بی بی سارہ پاس کھڑی ہوتی تھیں وہ یہ خبر سنکر ہنس پڑیں۔ تو ہم نے انہیں فرشتوں کے ذریعے اسحٰق کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی اور اسحاق کے بعد یعقوبؑ کی۔ وہ کہنے لگیں کیا میں اب بچہ جنںے بیٹھوں گی میں تو بڑھیا ہوں اور میرے میاں بھی بوڑھے ہیں یہ تو

ماہیت سے بحث کر اس پر غور کرنا اگر عبث ہے تو قرآن میں خداوند عالم نے ولادت عیسیٰ کو کس لیے بیان فرمایا ہے۔ کیا حضرت عیسیٰ (ع) خدا کی نشانی نہیں ہیں وہ لوگوں کیلئے اللہ کی نشانی ہیں۔ خدا فرماتا ہے انما المسیح عیسیٰ بن مریم رسول اللہ وکلمتہ القھا الیٰ مریم و روح منہ (سورۃ النساء آیت ۱۷۱) یعنی کہ مریم کے بیٹے عیسیٰ کلمہ خدا تھے۔ ایک حکم تھے جسے خدا نے مریمؑ کی طرف بھیج دیا تھا۔ اور وہ خدا کی طرف سے ایک روح (جان تھے)

ان مذکورہ واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ خداوند عالم نے انبیاء بعض (ع) کو مثل بشر خلق کیا ہے کیونکہ عام انسانوں کی پیدائش سے ان کی پیدائش مختلف ہے۔ اور ان واقعات کے اظہار سے یہ بھی مقصود کہ دنیا خداوند عالم کے قادر مطلق ہونے پر اعتقاد راسخ رکھے۔ سوال ہو سکتا ہے کیا مذکورہ انبیاء کے واقعات تخلیق اور ائمہ معصومین (ع) کے حالات ولادت دیکھ کر خداوند تعالیٰ کی بے پناہ قدرت کاملہ کا تیقن حاصل نہیں ہوتا؟ یہ تمام واقعات اس امر کی کی نشاندہی کرتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ پس اس لیے اہل ایمان ان تمام باتوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ جو قرآن مجید میں انبیاء (ع) کے بارے میں مذکور ہیں۔ لیکن پھر بھی مقصرین یہی کہتے ہیں کہ انبیاء اور حضرات محمد وآل محمد (ص) بعینہ بشر ہیں حالانکہ انبیاء حضرات صرف بشریت میں اشتراک رکھتے ہیں اور نوع کے اعتبار سے وہ ہم سے جداگانہ ہیں بس ان کی حقیقت و ماہیت سے بحث کرنا اور غور کرنا عبث نہیں ہے بلکہ اس سے ایمان استوار ہوتا ہے۔



ایک عجیب بات ہے وہ فرشتے ہوے تو خدا کی قدرت سے تعجب کرتی ہو۔ اے اہل بیت نبوت تم پر خدا کی رحمت اور اسکی برکتیں نازل ہوں۔ اسمیں شک نہیں کہ وہ قابل حمد و ثنا بزرگ ہے۔ سوال ہو سکتا ہے کیا اس واقعہ سے خداوند تعالٰی کی قدرت کاملہ پر ایمان راسخ نہیں ہوتا؟ اور اگر اس واقعہ سے خدا کے قادر ہونے پور عقیدہ وایمان استوار ہوتا ہے تو پھر انبیاء (ع) کی حقیقت و ماہیت پر بحث کرنا یا غور کرنا یا عوام الناس کی استواری ایمان کے لیے بیان کرنا عبث کیوں کر ہو سکتا ہے تعجب ہے کہ اہل علم کے زبان اور قلم سے اس قسم کے نشریات کیوں معرض ظہور میں آتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ بن مریم (ع) کی ولادت بھی ایک منفرد حیثیت رکھتی ہے اللہ بہتر جانتا ہے کہ جناب عیسیٰ کو عین بشر کہا جاے یا مثل۔ قرآن مجید میں ارشاد خداوند عالم ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ○

(سورۃ مریم آیت نمبر ۱۶)

یعنی کہ اے رسولؐ قرآن میں مریم کا تذکرہ بھی کرو کہ جب وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر مشرق کی طرف والے مکان میں غسل کے واسطے جا بیٹھیں۔ (اس کے بعد کی آیات کا ترجمہ یہ ہے) کہ پھر مریمؑ نے ان لوگوں کے سامنے پردہ کر لیا تو ہم نے اپنی (روح) جبرئیل کو ان کے پاس بھیجا تو وہ اچھے خاصے آدمی کی صورت بن کر کھڑے ہو گئے وہ اس کو دیکھ کر گھبرائیں اور کہنے لگیں اگر تو پرہیز گار ہے تو میں تجھ سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں تو میرے پاس سے ہٹ جا۔ جبرئیلؑ نے کہا میں تو صرف تمہارے پروردگار کی طرف سے پیغام لیکر آیا ہوں میں فرشتہ ہوں تا کہ تم کو پاک و پاکیزہ لڑکا عطا کریں۔ لاھب لک غلما زکیا○ کہ تم کو پاک و پاکیزہ لڑکا عطا کر دا (اور یہ مسلمہ امر ہے کہ وہبی شے میں اسباب ظاہری کو دخل نہیں ہوتا) مریمؑ کہنے لگیں کہ مجھے تو بشر نے چھوا تک نہیں اور نہ ہی میں بدکار ہوں جبرئیلؑ نے کہا مجھکو تو تمہارے پروردگار نے کہا اس کے لیئے کوئی بڑی بات نہیں کہ بغیر باپ کے لڑکا پیدا کرے تا کہ اس کو پیدا کرکے لوگوں کے واسطے اس کو اپنی نشانی قرار دے۔ پس اگر انبیاء کی حقیقت اور

انبیاء و مرسلین (ع) کے بارے میں نظریہ مشرکین

یہ ایک حقیقت ہے کہ نبی و رسول کو اپنا جیسا بشر سمجھنا مترادف انکار نبوت و رسالت ہے کیونکہ قرآن مجید میں وارد ہوا ہے کہ مشرکین نے ہمیشہ نبی اور رسول کو اپنا جیسا بشر سمجھ کر انکار کیا ہے ہم بطور نمونہ چند آیات سپرد کتاب کرتے ہیں جو کہ یہ ہیں:۔

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یَدْعُوْكُمْ لِیَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ یُؤَخِّرَكُمْ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ قَالُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ

(سورۃ ابراہیم آیت نمبر ۱)

ترجمہ: ان کے پیغمبروں نے (ان سے کہا) کیا تم کو خدا کے بارے میں شک ہے جو سارے آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور وہ تم کو اپنی طرف بلاتا بھی ہے تو اس لیے کہ تمہارے گناہ معاف کر دے اور ایک وقت مقرر تک تم کو (دنیا میں چین سے) رہنے دے وہ لوگ بول اٹھے کہ تم بس ہمارے جیسے ہی آدمی ہو (اچھا اب سمجھے) تم یہ چاہتے ہو کہ جن معبودوں کی ہمارے باپ دادا پرستش کرتے تھے تم ہمکو ان سے باز رکھو (اچھا اگر تم سچے ہو تو) تو صاف کھلا ہوا معجزہ ہمیں دکھلاؤ

فَاَرْسَلْنَا فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ وَ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَ اَتْرَفْنٰهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۙ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ یَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَ یَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۝ وَ لَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ

(سورۃ المومنون ایت ۳۴۳۲)

ترجمہ: اور ہم نے ان ہی میں سے آدمی (یعنی حضرت صالح) کو رسول بنا کر ان لوگوں میں بھیجا

(اور انہوں نے اپنی قوم سے کہا) کہ خدا کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں تو کیا تم ڈرتے نہیں ہم اور ان کی قوم کے چند سرداروں نے جو کافر تھے۔ اور روز آخرت کی حاضری کو بھی جھٹلاتے تھے اور دنیاوی چند روزہ زندگی میں ہم نے انہیں ثروت بھی دے رکھی تھی آپس میں کہنے لگے کہ یہ تو بس تمہارا سا آدمی ہے جو چیزیں تم کھاتے ہو۔ وہی یہ بھی کھاتا ہے اور جو چیزیں تم پیتے ہو وہی یہ بھی پیتا ہے۔ تو اگر تم لوگوں نے اپنے ہی سے آدمی اطاعت کر لی (یعنی اس کو نبی ورسول مان لیا) تو تم گھاٹے میں رہو گے۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ O

وَقَالُوٓا أَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهُۥٓ إِنَّآ إِذًا لَّفِى ضَلَٰلٍ وَسُعُرٍ ،

(سورۃ القمر آیت نمبر ۲۳ تا ۲۴)

ترجمہ: یعنی کہ قوم ثمود نے ڈرانے والے (پیغمبروں) کو جھٹلایا۔ تو کہنے لگے کہ بھلا ایک آدمی کی جو ہم میں سے ہو اس کی پیروی کریں۔ ایسا کریں تو ہم گمراہی اور دیوانگی میں پڑ گئے۔

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ مشرکین وکفار نے ہمیشہ اپنے زمانے کے نبی ورسول کو اپنا جیسا بشر تسلیم کیا جسکی بنا پر وہ لوگ کافر ہی رہے اور دین حق قبول نہ کیا۔ بس نبی و رسول کو اپنا جیسا بشر سمجھنا اور یہ کہنا کہ وہ کھاتا ہے پیتا ہے سوتا ہے جاگتا صحت و مرض ہے طاقت و ضعف ہے گویا کہ اس میں وہ تمام کیفیات بشری موجود ہیں جو عام نوع البشر میں ہوتی ہیں پس مشرکوں اور کافروں نے ان کی بشریت کو دیکھکر انکار کیا اور ایمان نہیں لائے۔ حالانکہ ان میں کچھ خصوصیات ایسی ہیں کہ جنکی بنا پہ عام انسانوں سے ارفع واعلیٰ ہیں مگر ان لوگوں نے خصوصیات پر قطع نظر کر لی اور اپنا جیسا بشر سمجھ لیا۔ خداوند عالم نے کہ جو ظاہر و باطن دونوں کا جاننے والا ہے بعینہٖ کافروں کا قول نقل فرما دیا جو کہ مذکورہ آیات میں موجود ہے اسی سے ملتا جلتا نظریہ مقصرین نے اختیار کیا ہے کہتے ہیں کہ پیغمبر بعینہٖ بشر ہیں۔ یہ ہم سے صورت میں مماثلت رکھتے ہیں حالانکہ یہ باطناً ایسی خصوصیات کے حامل ہیں کہ جن سے عام نوع بشر عاری و خالی ہے۔ جسکا ہم نے اسی کتاب میں ذکر بھی کیا ہے یہ ذوات مقدسہ دو

جنبہ رکھتے ہیں ایک جنبہ بشریت ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ کہاتے پیتے اور چلتے پھرتے ہیں۔ دوسرا جنبۂ روحانیت و نورانیت کا ہوتا ہے جسکی وجہ سے وہ منصب نبوت و رسالت و امامت پر منجانب خدا پیدائشی طور پر فائز ہوتے ہیں ان کی ارواح مقدسہ نورانی اور قالب جسمانی بھی ممزوج بہ نور ہوتا ہے یعنی کہ ان کی طنیت بشر بھی نورانی ہوتی ہے اسی لیے جب چاہیں نور ظاہر فرمادیں قارئین کرام جناب ام المومنین بی بی عائشہؓ فرماتی ہیں کہ انحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" بنیت اجسامنا علی ارواح اھل الجنۃ وامرت الارض ماکان منا ان تبتلعہ۔ یعنی کہ ہمارے جسم بہشتیوں کی روح پر بنائے گئے ہیں اور زمین کو حکم دیا گیا ہے کہ جو بول و براز ہم سے خارج ہو اس کو نگل جایا کرے۔ (ملاحظہ ہو مودۃ القربیٰ موئفہ سید علی ہمدانیؒ شافعی سنی المذہب۔ مودۃ اول)۔ بہر کیف مشرکین نے ہمیشہ انبیاء مرسلین کو بشر عین کہا۔ پس اس قسم کے نظریات سے اجتناب کرنا ضروری ہے تاکہ تقدس طنیت ائمہ معصومین برقرار رہے۔



اہلبیت نبوت اور تطہیر

آیت اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا۔

(سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۳۳)

ترجمہ: یعنی سوائے اس کے نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے کہ اے اہلبیتؑ رسولؐ تمہیں ہر قسم کی نجاست سے دور رکھے اور ایسا پاک و پاکیزہ رکھے جیسا کہ پاک رکھنے کا حق ہے اس بات پر تمام علماء کا اتفاق ہے اور کوئی اس کا مخالف نہیں ہے کہ آنحضرتؐ کے اہلبیت علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ ہیں۔ اور یہ آیت مجیدہ انہی ذوات مقدسہ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اس آیت میں لفظ "اہل البیت" نازل ہوا ہے اور اس میں جس شان سے آنحضرت (ص) عند اللہ معصوم ہیں اسی شان سے حضرات علیؑ و فاطمہؑ اور امام حسنؑ و حسینؑ (ع) مصداق ہیں۔ یہ ذوات مقدسہ ہر قسم کے رجس (گناہ و نجاست) سے دور اور رجس ان سے دور ہے۔ لیکن بعض حضرات اہلسنت کا یہ خیال ہے کہ اسمیں آنحضرت (ص) کی ازواج بھی شامل ہیں حالانکہ یہ خیال چند وجوہ کی بنا پر غلط ہے کیونکہ اگر ازواج مقصود ہوتیں تو جسطرح ماقبل و مابعد آیت میں ضمیر جمع مونث حاضر تھی اسمیں بھی باقی رہتی بلکہ اگر اس آیت کو نکال دو اور ماقبل اور مابعد کو ملا کر پڑھو کوئی کوتاہی نہیں ہوتی۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اس مقام کی نہیں ہے۔ بلکہ خواہ مخواہ کسی خاص غرض سے داخل کی گئی ہے اگر ازواج رسول خدا (ص) بھی شامل ہوں تو ان کی تعداد کی مطابق صیغے ہوتے۔ حضرت زید شہیدؑ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے اب وجد سے سنا ہے کہ لوگوں کی اس سے بڑھکر غفلت اور کیا ہوگی کہ وہ گمان کرتے ہیں کہ آیۂ تطہیر سے اللہ تعالیٰ نے ازواج رسولؐ کی طہارت کا ارادہ کیا تھا اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ آنحضرتؐ کی ازواج کی طہارت کے متعلق ہوتا تو خدا یوں فرماتا لیذہب عنکن

الرجس ویطھیر کن تطھیرا۔ اور یہ کلام مونث کے صیغوں کے تحت وارد ہوتا۔ جیسا کہ سابق مونث کے صیغے وارد ہوئے ہیں۔ پس آیۂ تطہیر ازواج رسول خدا (ص) کی شان میں نہیں ہے بلکہ ان کا مصداق بہ نفس نفیس انحضرت (ص) اور علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ ہیں۔ ان سے ہر قسم کا رجس دور ہے اور یہ ذوات مقدسہ ہر برائی سے پاک و پاکیزہ ہیں لیکن اس کے باوجود مقصرین کہتے ہیں کہ یہ ذوات مقدسہ گناہ کر سکتے ہیں لیکن گناہ کرتے نہیں ایسے نظریات والے لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ یہ تو متقی لوگوں کی شان ہے کہ وہ گناہ کر سکتے ہیں مگر گناہ نہیں کرتے۔ کیونکہ ارتکاب گناہ اور گناہ نہ کرنا دونوں اختیاری فعل ہیں۔ لیکن آیہ عصمت میں اذھاب رجس۔ ارادہ الہی سے وابستہ ہے ارادہ الہی تغیر سے بری ہے کیونکہ کیفیات اور حالات کا تعلق ذات احدیت سے نہیں ہے پس چونکہ خدا کا ارادہ ہے کہ ان ذوات مقدسہ سے ہر قسم کا رجس دور رہے اور یہ رجس سے دور رہیں پھر ان کے متعلق یہ کہنا کہ یہ گناہ کر سکتے ہیں۔ مگر گناہ نہیں کرتے۔ سوائے اسکے کہ اس نظریہ کو قیاس باطلہ ہی کہا جا سکتا ہے اس قسم کے نظریات باطلہ سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

آیۂ تطہیر صرف چہاردہ معصوم (ع) کی شان میں نازل ہوئی ہے ان میں پانچ ذوات مقدسہ بوقت نزول آیۂ تطہیر موجود تھیں یعنی کہ علیؑ فاطمہؑ حسنؑ و حسینؑ اور بہ نفس نفیس انحضرت (ص) اور باقی نو ائمہ جو اولاد حضرت امام حسینؑ سے ہیں تا حضرت امام مہدی (ع) معصوم ہیں چنانچہ شان نزول آیۂ تطہیر بصورت حدیث کساء مشہور و معروف ہے اور عام طور پر تمام مومنین و موالیان اہلبیت طاہرین حدیث کساء کا ورد رکھتے ہیں چنانچہ ہم اولا اس کی استنادی روایتی حیثیت درج کتاب کرتے ہیں جو کہ یہ ہے:۔

حدیث کساء اور مستند روایات:۔ یہ کہ سنی و شیعہ علما اور محدثین نے باسناد معتبرہ حدیث کساء کو روایت کیا ہے حدیث کساء بطریق شیعہ ۳۴ مرتبہ اور بطریق اہلسنت ۴۱ مرتبہ روایت کی گئی ہے۔ تذکرہ ملاحظہ ہو۔

(کتاب حدیث کساء اور معرفت حدیث کساء صفحہ ۹ سے صفحہ ۱۶ تک)

ایمان افروز توضیحات ملاحظہ ہوں۔
(کتاب حدیث کساء و معرفت حدیث کساء ملاحظہ ہو صفحہ ۱۷ سے صفحہ ۲۹ تک)

اب ہم اہلبیتؑ نبوۃ اور تطہیر پر مطبوعہ علمی مقالہ از رشحۂ قلم مفکر اسلام جناب پروفیسر خواجہ محمد لطیف قبلہ انصاری مرحوم و مغفور سپرد کتاب کرتے ہیں جو کہ بصورت اقتباس یہ ہے۔

ا۔قرآن حکیم نے مذہب کا معیار عصمت و طہارت اور صدق و صفا کو قرار دیا ہے چنانچہ شیعہ مذہب میں نبوت و رسالت اور امامت کیلئے عصمت شرط ہے خداوند عالم نے اہلبیت رسولؐ کی طہارت و عصمت کو ان الفاظ میں قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:۔

آیت : انما یریداللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیراo

(سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۳۳)

ترجمہ: سوائے اس کے نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے کہ اے اہلبیت تمہیں ہر قسم کی نجاست سے پاک رکھے جو پاک رکھنے کا حق ہے۔اس آیۂ مبارک میں جس اہتمام اور شان کیساتھ اہلبیت اطہار کی عصمت و طہارت کو بیان فرمایا ہے وہ اپنی نظیر آپ ہے عالم الغیوب خدا جانتا تھا کہ مسلمانوں میں اہلبیت کی عصمت و طہارت پر اختلاف ہوگا۔اس لیے ان کی عصمت و طہارت کے بیان کیلئے ایسا اہتمام ضروری سمجھا گیا نہ اہلبیت مسلمانوں نے اہلبیتؑ کی عصمت و طہارت سے پہلو تہی کرنے کے لئیے ایک اصول بنا لیا کہ غیر انبیاء کے لئیے عصمت و طہارت ثابت نہیں چنانچہ فخرالدین رازی نے اس اصول کو تفسیر کبیر میں بیان کیا ہے مگر حق پرست سنی مسلمانوں نے ان کے اس اصول سے انکار کیا ہے جیسا کہ صاحب دراسات اللبیب لکھتے ہیں ثبوۃ العصمۃ خیر الانبیاء جائز لم ینتھض دیل من الشرع استحالتھا من غیر ھم۔یعنی کہ غیر انبیاء کے لئیے عصمت کا اثبات جائز ہے۔عصمت غیر انبیاء کے محال ہونے پر کوئی دلیل شریعت سے استنباط نہیں ہوئی۔اس کے بعد وہ ابن عمران سے روایت

نقل کرتے ہیں کہ جناب رسالت مآب (ص) نے سب سے آخر جو کلام فرمایا وہ یہ تھا "اخلفونی فی اھل بیتی" پھر لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں کوئی شائبہ نہیں پھر لکھتے ہیں کہ اہلبیتؑ سے مراد کون ہیں ۔ وھم الائمۃ اثنا عشر من اہلبیت سیدۃ النساء العالمین قال لاشائبۃ فی کونھم معصومین ۔ یعنی کہ وہ اہلبیتؑ کے بارہ امام ہیں اور سیدۃ النساء فاطمہ زہرا (ص) ہیں اور ان سب کے معصوم ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے ۔ (اظہار ۔ دراساۃ اللبیت)

اب ذرا آیۂ تطہیر پر غور فرمایئے ۔ اس میں "انما" مفید حصر ہے ۔ یعنی سوائے اس کے نہیں ہے یعنی کہ یہی بات ہے اس کے سوا کوئی اور نہیں جس انداز واہتمام سے اللہ تعالیٰ نے تطہیر اہلبیتؑ بیان کی اسی طرح اپنی توحید کو بیان کیا ہے انما الحکم الہ واحد یعنی کہ سوائے اس کے نہیں ہے کہ تمہارا معبود یکتا ہے یعنی کہ وہ صرف ایک ہے اکیلا ہے ۔ "انما" کے بعد "یرید" :۔ فعل بالا ارادہ ہے جو کہ مقام امتنان مدح میں استعمال ہوتا ہے اس جگہ پر صیغہ فعل مضارع ہے جو ماضی کے معنی میں استعمال ہو رہا ہے یرید بمعنی ارادہ کیا ہے مضارع کے ماضی میں استعمال ہونے کی متعدد مثالیں قرآن مجید میں موجود ہیں ۔ ہم ان میں سے صرف دو مثالیں نقل کرتے ہیں (۱) انا انزلنا التوراۃ فیھا ھدی و تورۃ یحکم بھا النبیون ۔ (سورۃ المائدۃ آیت نمبر ۴۴) یعنی کہ بہ تحقیق ہم نے توریت نازل کیا ہے اس میں ہدایت اور روشنی ہے جس سے انبیاء نے فیصلے کئے ظاہر ہے کہ وقت نزول کتاب انبیاء فیصلے نہیں کرتے بلکہ انہوں نے فیصلے کئے ہیں مضارع بمعنی ماضی استعمال ہو رہا ہے ۔ (۲) یقتلون النبیین (ای قتلوا النبیین) یعنی بنی اسرائیل کے ظالم افراد نے انبیاء کو قتل کیا ۔ ظاہر ہے کہ وقت نزول قرآن انبیاء کو قتل نہیں کرتے ہیں بلکہ انہوں نے قتل کیا ہے مضارع بمعنی ماضی استعمال ہو رہا ہے اس طرح اللہ تعالیٰ نے طہارت اہلبیت کا گذشتہ زمانہ میں ارادہ کیا ہے یہ نہیں کہ اب ارادہ کرتا ہے اور اللہ کے ارادہ کی شان خود قرآن حکیم میں اسطرح بیان کی ہے کہ انما امرہ اذا اراد شیأ ان یقول لہ کن فیکون ۔ اس کا امر یہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی شے کا ارادہ کرتا ہے کہتا ہے ہو جا پس وہ شے ہو جاتی ہے خدا کا ارادہ ازلی ہے اس لئیے اہلبیت ازل سے پاک

ہیں اب اللہ تعالیٰ اہلبیت کو پاک نہیں کر رہا۔ بلکہ وہ ازل سے پاک ہیں۔اب صرف قرآن کے ذریعہ ان کی طہارت کو بیان فرمایا ہے۔جب کہ لفظ تطہیراً سے ظاہر ہے۔

لفظ تطہیر باب تفعیل سے ہے اور باب تفعیل کا خاصہ بیان کرنا ہے۔جیسا کہ توحید کے معنی اللہ کی احدیت بیان کرنا ہے نہ کہ اسے واحد بنانا۔جیسا کہ تکبیر کے معنی ہیں اللہ کی بڑائی بیان کرنا نہ کہ اسے بڑا بنانا۔جب کہ تسبیح کے معنی ہیں اللہ کی پاکیزگی بیان کرنا نہ کے اسے پاک بنانا۔ بالکل اسی طرح تطہیر کے معنی ہیں اہلبیتؑ کی طہارت بیان کرنا نہ کہ انہیں پاک بنانا۔

یرید مضارع ہے مضارع جامع ازمنہ ثلاثہ ہے یعنی کہ مضارع ہیں ماضی حال اور مستقبل بھی مراد لیے جاتے ہیں جیسا کہ مصنف مفتی لبیب نے لکھا ہے۔

انھم یعبرون عن الماضی والاتی کما بمعنی الحاضر یعنی مضارع میں اصحابؑ ذشتہ آئندہ زمانہ کی بھی اسی طرح مراد لیتے ہیں جیسا کہ حاضر کے معنوں کو راد لیا جاتا ہے اب اس اصول کے متعلق آیات ملاحظہ کیجیے۔

(۱) وَيُرِيدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ ۝

(سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۷)

یعنی کہ اللہ کا ارادہ ہے کہ حق کو حق ثابت کرے پھر فرمایا یبطل الباطل کہ باطل کو باطل ثابت کرے یہ حقیقت ماضی حال اور مستقبل کے لیے ثابت ہے یعنی یہ نہیں کہ اللہ کو اس زمانہ میں حق کو حق اور باطل کو باطل ثابت کرنا ہے بلکہ اس نے ماضی میں بھی ایسا کیا ہے اور آئندہ بھی کرتا رہے گا گویا اس امر میں اللہ کی استدامت ارادہ ظاہر ہے۔اسی طرح ارادہ اذہاب رجس اور تطہیر اہلبیتؑ میں استدامت ارادہ ظاہر ہے اس میں بھی ماضی ، حال و مستقبل محق ہیں یعنی اللہ نے ان سے رجس کو دور رکھا انہیں پاک رکھا ہے۔اور ان سے رجس کو دور رکھتا ہے۔اور ان سے رجس کو دور رکھے گا۔اور انہیں پاک رکھے گا

(۲) یرید اللہ بکم الیسر و یرید بکم العسر ۝

(سورۃ البقرآیت نمبر ۱۸۵)

یعنی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے فراخی کا ارادہ رکھتا ہے اور تنگی کا ارادہ نہیں رکھتا اس آیت میں باری تعالیٰ کے ارادہ کی استدامت ثابت ہے اور ارادہ بعدم عسر ہر زمانہ ماضی حال مستقبل ظاہر ہے۔ اس طرح اذہاب رجس و تطہیر ہر زمانہ ماضی وحال و مستقبل ثابت محقق ہے۔

(۳) وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ۔

(سورۃ آیت نمبر)

یہ آیت بھی اللہ تعالیٰ کے ارادہ کی استدامت (ہمیشگی) پر دلالت کرتی ہے۔ اور ماضی وحال و مستقبل ہیں ارادہ بعدم ظلم ثابت ہے۔ اسی طرح آیۂ تطہیر بھی ارادہ کی استدامت پر دال ہے۔ اور ماضی وحال و مستقبل میں اذہاب و تطہیر ثابت ہے۔

ان شواہد سے صاف ظاہر ہے کہ باری تعالیٰ کیلئے ارادہ اور مشیت کے صیغے مفید مطلق ہوتے ہیں ان میں ثبوت زمانی معتبر نہیں ہوتا۔ اس طرح اذہاب رجس و تطہیر اہلبیتؑ کا ارادہ قدیم سے تھا۔ چونکہ ارادہ صفات ثبوتیہ سے ہے جو عین ذات ہیں یہ صورت ماضی کی ہے اور خمسہ بخباے آل عبا کے لیے اس ارادہ کا اظہار حال میں عالم شہود میں بوقت نزول آیۂ تطہیر ہوا ہے۔ اور باقی نو اماموں کے لیے مستقبل میں اظہار ہے چونکہ پانچ کے مقابلہ میں نو کا عدد اکثر و غالب ہے ان نو اماموں نے نزول آیہ تطہیر کے بعد آنا تھا اس لیے تغلیب کے قاعدہ پر یہ عبارت صیغہ استقبال نے تعبیر فرمائی۔

بغرض رفع ابہام فاعل ارادہ ہے۔ اور اس اذہاب اور تطہیر کا فاعل اللہ ہے کہ و هو علی كل شی ء قدیر جو قادر مطلق ہے۔

لہذا حب میں حرف لام مفید تعلیل وقوع فعل ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝

(سورۃ یٰسین آیت نمبر ۸۲)

جب اللہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے کہتا ہے ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔

یذھب۔ ہر رجس کے ازالہ کیلئے مفید ہے جو نوع انسانی کی فطرت میں موجود ہے وہ رجس حسی ہو۔ یا عقلی ہو یا حکمی ہو آیۂ تطہیر سے دو قضیئہ منطقیہ مستخرج ہوتے سالبہ معلقہ اور موجبہ مطلقہ چنانچہ لیذھب عنکم الرجس ہ سالبہ ہے یطہرکم تطہیر موجبہ مطلقہ ہے۔ رجس مسلوب و منفی ہے طہارت ثبوتیہ ہے۔ سلب و منفی کیلئے وجود لازم نہیں جیسا کہ کلمہ طیبہ سے ظاہر ہے لا الہ سالبۂ مطلقہ ہے اس میں اللہ کا وجود لازم نہیں اسی طرح لیذھب عنکمْ الرجس سالبہ مطلقہ ہے اس میں رجس کا وجود لازم نہیں۔ الا اللہ موجبہ مطلقہ ہے اس طرح یطہرکم تطہیرا موجبہ مطلقہ ہے عنکم مفعول سے ہے۔ اس لیے مفید خصوصیت خاصہ ہے۔ اور لفظ کم بصورت تغلیب ہے۔ الرجس۔ اسمیں لام۔ لام استغراق ہے سے مراد یہ ہے کہ اہلبیتؑ کو ہر قسم کے رجس سے پاک رکھنا مطلوب ہے رجس ظاہری سے بھی وہ پاک ہے مثلاً حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہ کہ آپ ان نجاستوں سے بھی پاک تھیں جو عام طور پر عورتوں کو عارض ہوتی ہیں چونکہ ظاہری نجاستوں سے بھی حضرت سیدہ عالمین فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہما پاک ہیں اسی لیے آپ کا لقب بتول ہے اہلبیت نبوت رجس باطنی و عقلی سے بھی پاک و پاکیزہ ہیں ہر قسم کے رجس سے منزہ ہیں۔ مثلاً منکرات صغیرہ و کبیرہ اور وساوس شیطانی سے بھی پاک ہیں۔ معرفت دینی ہیں شک نہیں رکھتے لفظ اہلبیت مفید تخصیص بدو معنی ہے یعنی حاضرین کے لیے بھی اور ان کے لیے بھی کہ جو ائمہؑ ابھی خلق نہیں ہوئے ہیں یطہرکم۔ تطہیراً۔ میں تطہیر کی تاکید سے طہارت مطلقہ مراد ہے۔ کم سے تخصیص بعد تخصیص اور حصر بعد حصر مطلوب ہے تطہیراً مبالغہ مفید غایت طہارت ہے کہ اس سے بڑھکر تصور میں نہیں آسکتا۔ اور اس سے اعلان طہارت اہلبیت مراد و مطلوب ہے۔ پس آیۂ تطہیر میں اہلبیتؑ۔ آنحضرتؐ یعنی علیؑ و فاطمہؑ حسنؑ و حسینؑ اور وہ نو امام کہ جو اولاد حضرت امام حسینؑ میں ہونگے مراد ہیں اور یہ طہارت و عصمت اہلبیتؑ نبوۃ کے لیے اپنی آپ مثال ہے (مطبوعہ مقالہ جناب پروفیسر خواجہ محمد لطیف صاحب صبا انصاری اعلی اللہ مقامہ تمام شد)

نوٹ: ۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ معصوم گناہ کر سکتا ہے۔ مگر گناہ نہیں کرتا۔ اس کے

بالمقابل مقصرین حضرات کا یہ عقیدہ ہے کہ معصوم گناہ نہیں کر سکتا۔اس سے معصوم کی مجبوریت ظاہر نہیں ہوتی کیونکہ خداوند عالم باوجودیکہ قادر مطلق ہے اور صفت قدرت عین ذات خدا ہے لیکن وہ نہ کسی شے سے متحد ہو سکتا ہے اور نہ کسی شے میں حلول کر سکتا ہے اور متحد نہ ہونا یا حلول نہ کرنا منافی قدرت نہیں ہے۔اور نہ ہی مجبوریت پر مبنی ہے۔بلکہ حقیقت یہ ہے کہ خداوند عالم کے لیے اس قسم کے نظریات اور اس قسم کی باتیں منافی توحید ہیں۔نقص ایمان ودین کی نشانی ہیں۔پس اس قسم کی باتیں وساوس شیطانی پر مبنی ہیں۔ اس طرح حضرات معصومین (ع) کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ گناہ کر سکتے ہیں مگر گناہ نہیں کرتے سراسر منافی شان معصومینؑ ہے۔اس قسم کے نظریات سے مومنین اجتناب کریں تاکہ مقصرین میں شمار نہ ہوں۔

سید ظل حسین زیدی سرسوی



ائمہ اثنا عشر کے بارے میں بشارت حضرت رسولخدا (ص)

حدیث نبویؐ ۔ قَالَ النَّبِیُ لَا یَزَالُ ھٰذَا الْاَمْرِ عَزِیْزًا اِلٰی اَثْنَا عَشَرَ خَلِیْفَہ

(صحیح مسلم)

یہ حدیث شعبی نے جابر بن سمرہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ انحضرت (ص) نے فرمایا ہمیشہ یہ دین معزز و ممتاز رہے گا یہاں تک کہ اس میں بارہ تاجدار خلافت ہوں اس مضمون کی اور بھی احادیث پائی جاتی ہیں واضح رہے کہ اس حدیث میں انحضرت (ص) نے ائمہ اثنا عشر کی بشارت دی ہے حالانکہ خلفاء بنی امیہ ۱۴ اور خلفاء بنی عباس ۳۷ ہوئے ہیں ۔

حدیث نبوی (ص) : من مات ولم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ الجاھلیۃ ۔

انحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ جو شخص امام زمانہ کی معرفت کے بغیر مرجائے وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے ۔ اس حدیث مبارک سے واضح ہوتا ہے کہ معرفت امام ضروری ہے نہ کہ محض علم (جاننا کافی نہیں ہے)

آقای بروجردی اعلیٰ اللہ مقامہ نے اپنے مقدمہ جامع السائل میں ارشاد فرمایا ہے کہ "ایک شخص نے مذہب شیعہ اختیار کیا ہے اور وہ غافل و بیوقوف بھی نہیں لیکن بارہ اماموں کے حق کی معرفت اور ان کے نام و ترتیب اور بعض صفات کے پہچاننے میں کوتاہی کرتا ہے اس قسم کے ادمیوں کا حکم طہارت بدنی کے اعتبار سے بے اشکال ہے کیونکہ شہادتین طہارت بدنی کے لیے کافی ہیں لیکن خصوصاً ان کی آخرت کے بارے میں حکم مشکل ہے خاص کر امام زمانہ کو نہ پہچانیں" ارباب فقہ جانتے کہ حقیقت و ماہیت ائمہ معصومین بھی معرفت میں داخل ہے ۔ کیونکہ معرفت علم ہی کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے علم کہتے میں جاننے کو اور معرفت کہتے میں پہچاننے کو بس معرفت کاملہ اسی وقت حاصل ہو سکتی کہ جو امام علیہ السلام کی

حقیت و ماہیت دونوں کا عارف ہو۔ اور اگر معرفت امام اس حد تک ہے کہ ان کو بشر محض عین بشر سمجھا جائے تو انکار خصوصیات امام علیہ السلام کی طرف راجع ہے پس معرفت امام لازم اور واجب ہے۔ مجھے اس مقام پر ایک واقعہ یاد آگیا وہ یہ ہے کہ اسلام پورہ (سابق کرشن نگر) لاہور میں عزادانہ بلاک سید ان میں مجلس عزا منعقد ہو رہی تھی اور حضرت علامہ شبیر حسین صاحب نجفی مدظلہ العالی رونق افروز منبر تھے اچھا خاصہ مجمع تھا۔ دوران تقریر میں مجلس میں حاضر ہوا۔ علامہ صاحب نے بعد سلام فرمایا ائے مولانا ظل حسنین صاحب قبلہ بعدہ متوجہ ہوئے اور کہا کہ آپ ظل حسنین کیونکہ ہیں ائمہ کے تو سایہ ہی نہ تھا۔ میں نے عرض قبلہ میں اس لیے ظل حسنین ہوں (یعنی حسنین کا سایہ) کہ میں بارہ اماموں کے علاوہ تیرہویں امام کا قائل نہیں ہوں جسطرح سایہ انسان کے ساتھ رہتا ہے اسی طرح میری عقیدت الہٰی بارہ ائمہؑ سے مربوط ہے اس پر نعرہ حیداری بلند ہوا اور علامہ پھر تقریر کرنے میں مشغول ہو گے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علامہ صاحب آنحضرت (ص) کے سایہ ہونے کے معتقد ہیں۔ تعجب ہے ان لوگوں پر کہ جو آنحضرتؐ کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ کا سایہ نہ ہونیکی روایات صحیح ہیں۔ روایات کے ضعیف ہونیکا سہارا اس لیے لیا گیا ہے کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ آنحضرتؐ کے سایہ نہ تھا تو طینت جسمانیہ آنحضرتؐ کو طنیت بشر سے بلند ترماننا پڑے گا۔ لہذا روایات کو ضعیف کہکر شک وشبہ پیدا کر دیا۔

جیسا کہ ذکر کیا جاچکا کہ آنحضرت (ص) نے ائمہ اثنا عشر (ع) کی بشارت دی ہے چنانچہ کتاب مطالب السئول فی مناقب آل رسول (ص) میں بھی مذکور ہوا ہے کہ ائمہ اثنا عشر (ص) ہی سے وہ خلفاء رسولخدا مراد ہیں کہ جنکی بشارت دی گئی ہے۔ جبکہ احادیث اور بعض آیات قرآنی سے بھی تمثیلاً بارہ ہی جانشین رسولخدا (ص) مراد ہیں تو ان کی معرفت واجب حاصل کرنا ضروری ہے اور اگر ان ائمہ برحق کی معرفت نہیں ہے تو پھر اس شخص کا دین کامل نہیں ہے بلکہ وہ اگر اسی حالتیں مرادہیں تو وہ جاہلیت کی موت مرا اور جاہلیت سے مراد کفر و نفاق و تقصیر مراد ہے۔ اس حدیث مبارک یعنی من مات ولم یعرف حسب امام زمانہ میں

آنحضرتؑ نے لفظ امام ارشاد فرمایا ہے پس معرفت امامؑ کے بارے میں پہلی چیز یہ ہے کہ لفظ امام۔ امام منصوص من اللہ و رسولؐ کے لیے مخصوص سمجھیں۔ اس سلسلہ امامت کے پہلے امام حضرت علی ابن ابیطالب (ع) ہیں پھر حسنؑ و حسینؑ علیؑ بن الحسینؑ محمد ابن علیؑ جعفر ابن محمدؑ موسیٰ بن جعفرؑ علی ابن موسیٰؑ محمد ابن علیؑ علی ابن محمد حسنؑ ابن علیؑ اور آخر میں حضرت حجت بن الحسنؑ القائمؑ المہدی صلوات اللہ علیہ و علیٰ اٰبائہ ہیں اور انہی حضرات ہادیان برحق کے لیے بزبان وحی ترجمان لفظ امام مختص ہے اور حضرت امام العصر کی امامت سے قیامت تک زمانہ عبارت ہے پس حرمت و تقدیس لفظ امام برقرار رکھنا ہر ایک شیعہ اثنا عشری پر واجب ہے۔

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کیف انتم اذانزل بن مریم فیکم وامامکم منکم کہ اے لوگو اس وقت تمہارا کیا عالم ہوگا جب عیسیٰ ابن مریم آسمان سے زمین پر اتریں گے۔ اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت (ص) کی امت میں یعنی کہ امت مسلمہ میں لفظ "امام" سب کے لیے نہیں ہے بلکہ اب یہ لفظ مختص ہے حضرت امام مہدی القائم (ع) کیلئے۔ اور ظاہر ہے کہ امام العصر حضرت مہدی آخر الزمان (ع) بقید حیات ہیں اور ہماری نگاہوں سے غائب ہیں جب حکم خدا ہوگا ظہور فرمائیں گے پس غیبت امام میں لفظ امام۔ آپؑ کے بعد کسی اور کیلئے بزبان رسولخدا (ص) وارد نہیں ہوا ہے کیونکہ حدیث مذکورہ اور دوسری احادیث میں بارہ اماموں کی بشارت پائی جاتی ہے اور بارہویں تاجدار امامت حضرت امام مہدی (ع) ہیں۔ اور چونکہ امامت۔ اصول دین میں داخل ہے پس لفظ امام کی تقدیس و حرمت برقرار رکھنا اسلام میں داخل ہے جس طرح لفظ رسولؐ لفظ نبیؐ لفظ قرآن لفظ بیت اللہ لفظ بیت المقدس اپنے اپنے اعتبار سے اپنے دامن میں تخصیص رکھتے ہیں اسیطرح لفظ امامؑ بھی مختص با۔ ائمہ اثنا عشر (ع) ہے۔ اگر کسی شخص نے مذھب شیعہ اختیار کیا ہے اور وہ خاصکر امام زمانہ (ع) کو نہیں پہچانتا ان کی حیات غیبت۔ مخلوق پر حجت خدا ہونیکا معتقد نہیں ہے تو اس شخص کیلئے حکم ایمان مشکل ہے اور نجات ایمان ہی پر موقوف ہے پس اصول دین

اس امر کی مقتضی ہیں کہ نشان منصب کو شہادتین ہیں برقرار رکھا جائے کہ اللہ کے لیے الوہیت آنحضرتؐ کیلئے رسالت اور ائمہ برحق کہ جو اولاد علیؑ وفاطمہؑ سے ہیں اور وہ بارہ ہیں امامت کو برقرار رکھا جائے یہ بھی واضح رہے کہ امت مسلمہ میں ترتیب وار ۔آخری درجہ صاحبان اتقا کا ہے پس ہمارے علماء اعلام اور مجتہدین عظام صاحبان تقویٰ وطہارت ہیں نہ کہ "امام" کیونکہ لفظ امام بزبان وحی ترجمان ائمہ اثنا عشر کے لیے مخصوص ہے پیش نماز کو بھی امام کہتے ہیں چونکہ پیش نماز جماعت کراتا ہے ۔اور ماموین سے آگے ہوتا ہے لہذا اسے اصطلاحاً ورواجاً امام کہتے ہیں یا ہو سکتا ہے کہ پیش نماز کو اس لیے امام کہتے ہیں کہ امام برحق کی یاد ہمیشہ تازہ رہے اور دنیائے اسلام غافل نہ ہونے پائے ۔جماعت میں پیش نماز کو امام کہنے کے یہ معنی کہ من یقتدی بہ یعنی وہ شخص کہ جسکی اقتداء کی جائے (نہ کے مفترض الطاعۃ) پیش نماز ایک حالت خاص میں قابل اقتدا ہوتا ہے یعنی کہ جماعت کراتے وقت لیکن امام برحق ہمہ وقت واجب (اطاعت) ہے اس کی اطاعت ہمہ وقت واجب ہے۔

وجودی جود حضرت امام العصر مہدی اخرالزمان عجل اللہ فرجہ ازولادت تاظہور پرنور یہ ظاہر کرتا ہے کہ ائمہ اثنا عشر صلوات اللہ علیہم اجمعین ۔محض بشر نہیں ہیں بلکہ یہ ذوات مقدسہ بھی مثل بشر ہیں ان کے خوارق عادات امور ۔ماموریت کے بعد ظاہر نہیں ہوتے بلکہ یہ تو بطن مادر میں بھی تسبیح وتقدیس خدائے تعالیٰ سے غافل نہیں رہتے اس قسم کے واقعات سے کتب احادیث بھری ہوئی ہیں ۔ہم نے بھی ولادت ائمہ" کا عنوان قائم کر کے اجمالی طور پر نگارش کی ہے ۔ائمہ ھدی (ع) کو اپنا جیسا بشر سمجھنا ۔یا عاجز بشر سمجھنا ۔یا اظہار معجزہ میں دعا کرنیکا محتاج سمجھنا یا علم وشریعت میں کسی فرشتے کا محتاج سمجھنا ۔ان حضرات معصومین کی شان میں تقصیر کا مترادف ہے اگر مقصیر ۔توبہ کے بغیر مرجائے تو اس کی نجات کا حکم مشکل ہے مومنین کرام کو تقصیر آمیز نظریات سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

ولادت آئمہ معصومین (ع)

قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے کہ (اے رسولؐ) وہ وقت بھی یاد دلاؤ جب ابراہیمؑ و اسمعیلؑ خانہ کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور دعا مانگتے جاتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار ہماری یہ خدمت قبول کر لے بے شک تو ہی دعا کا سننے والا اور جاننے والا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعا تعمیر کعبہ کے سلسلہ میں ہے یہ بھی قرآن مجید میں وارد ہوا ہے کہ (اے رسولؐ وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے لیے ثواب اور پناہ کی جگہ قرار دی۔ اور حکم دیا کہ ابراہیمؑ اس جگہ کو نماز کی جگہ بناؤ پھر ارشاد ہوا و عہدنا الی ابراہیم و اسمعیل ان طھر بیتی لا طائفین و العاکفین و الرکع السجود O

(سورۃ البقرآیت نمبر ۱۲۵)

یعنی اور ابراہیمؑ و اسمعیلؑ سے عہد و پیمان لیا کہ میرے اس گھر کو طواف اور اعتکاف اور رکوع و سجود کرنے والوں کے واسطے پاک رکھو (یعنی نجاست دور رکھو) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ و ابراہیمؑ کے نزدیک کعبہ ایک ایسا بیت ہے۔ جسکی پاکیزگی دائمی ہے۔ اگرچہ خانہ کعبہ میں مشرکین نے بت رکھ لیے تھے اور وہ لوگ ان کی پرستش کرتے تھے لیکن خانہ کعبہ کی طہارت حقیقی و باطنی بحال خو برقرار رہی۔ مشرکین کی آمد و رفت اور بتوں کی موجودگی کعبہ کی طارت باطنی پر کبھی اثر انداز نہیں ہوی۔ اور حدیہ ہے کہ آنحضرت (ص) کی نگاہ مبارک میں کعبہ محترم و مقدس تھا تب ہی تو آپؐ خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کے لیے بے چین رہتے تھے۔ مگر جب تک کہ استقبال قبلہ کا حکم نہ آیا آنحضرت (ص) انتظار ہی فرماتے رہے۔

چنانچہ پندرھویں رجب روز شنبہ ۲ھ میں بدر کی لڑائی سے دو مہینہ پیشتر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مع اصحابؓ اور حضرت علی ابن ابطالب (ع) مسجد قبا میں جو مدینہ سے

تقریباً دو میل کے فاصلہ پر ہے نماز ظہر پڑھ رہے تھے کہ تبدیلی قبلہ کا حکم نازل ہوا حضرت رسولخدا (ص) فوراً اثنائے نماز میں بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی طرف پھر گئے اور ظہر کی آخری دو رکعتیں خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے پڑھیں اس وجہ سے اس مسجد کو ذو قبلتین کہتے ہیں ۷ ھ میں جنگ وجدل کے بعد مکہ معظمہ فتح ہو گیا۔ اور پھر آنحضرتؐ اور حضرت امیر المومنینؑ علی ابن ابطالب (ع) نے ملکر خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت (ص) اور تمام مسلمان فتح مکہ تک تبدیلی قبلہ سے پہلے بیت المقدس کی طرف رخ کرکے اور پھر خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے جبکہ ۷ ھ تک کعبہ میں بت رکھے ہوئے تھے۔ تو کیا کعبہ کی طہارت وتقدس و پاکیزگی ختم ہو گی تھی نہیں آنحضرت (ص) کا کعبہ کی طرف جبکہ اسمیں بت تھے موہنہ کر کے نماز پڑھنا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ حرمت وتقدس و طہارت کعبہ ہمہ وقت برقرار رہی ہے اور اس کعبہ میں حضرت علی ابن ابطالب (ع) پیدا ہوئے ہیں۔ آپ کی ولادت خانہ کعبہ میں بتاریخ ۱۳ رجب المرجب ۳۰ بعد عالم الفیل بروز جمعہ المبارک ہوئی ہے آپ کی والدہ ماجدہ حضرت رسولخدا (ص) کے حکم سے خانہ کعبہ میں آئی ہیں۔ اور دروزہ کی حالتیں پس پشت کعبہ دعا مانگی خداوند اس مشکل کو آسان کر اور فاطمہ بنت اسد بعد میں کعبہ داخل ہوئی پھر دیوار پر ملگئی اور عین جوف کعبہ حضرت امیر المومنین علی ابن ابطالب (ع) پیدا ہوئے۔ مستدرک امام حاکم جلد ۳ صفحہ ۴۸۳ میں منقول ہوا ہے۔

۱۔ تواترت الاخبار ان فاطمۃ بنت اسد ولدت امیر المومنین علی ابن ابطالب فی جوف الکعبہ۔

یعنی کہ اس امر میں احادیث ذرجہ تواتر تک پہونچ چکی ہیں کہ جناب فاطمہ بنت اسد نے جناب امیر المومنین علی مرتضیٰ (ع) کو وسط کعبہ میں جنم دیا۔

چند کتابوں کے نام یہ ہیں کہ جن میں مولود کعبہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۱) ازالۃ الخفا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔

(۲) سیرة العلویہ حصہ اول صرحہ .۲۱۱۲ ۔ موئلہ حیدر علی حنفی۔

(۳) مناقب مرتضوی ۔ محمد صایح کشفی باب ۳ صفحہ ۸۷ ا ۸۸۔

(۴) مستدرک علی الصحیحین الجز الثالث صفحہ ۴۸۳۔

(۵) روضۃ الندیہ شرح تحفہ العلویہ

وقت ولادت حضرت علی ابن ابطالب (ع) کی طہارت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ آپ خانہ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے ۔ احادیہ تواترہ میں یہ وارد ہوا ہے ان فاطمۃ بنت اسد ولدت امیر المومنین علی ابن ابطالب کرم اللہ وجھہ فی جوف الکعبۃ ۔ یعنی کہ فاطمہ بنت اسد سلام اللہ علیہا نے حضرت علیؑ عین جوف کعبہ میں جنا۔ لیکن مقصرین پھر بھی یہی کہتے ہیں کہ علیؑ ہم جیسے ایک بشر تھے یعنی کہ عین بشر تھے جبکہ دیا جاتی ہے کہ انسان کی پیدائش ایک قطرہ نجس سے ہوتی ہے اور تمام عورتوں پر وہی چیزیں طاری ہوتے ہیں کہ جنکو زبان شریعت نے نجس قرار دیا ہے خانہ کعبہ ہمہ وقت پاک رہا ہے اور جناب فاطمہ بنت اسد کا کعبہ میں رہنا اور در کعبہ کا نہ کھل سکنا اور بروایت جنت سے پاکیزہ عورتوں کا آنا اور ہم جلیس ہونا اور بظاہر نہ حضرت علیؑ کو پیدا ہونے کے بعد غسل دیا گیا بلکہ اسی حالت میں جب فاطمہ بنت اسد ان کو لیکر نکلیں اور انحضرتؐ نے اپنی آغوش میں لے لیا ۔ کیا تمام چیزیں اس امر کی طرف راج نہیں ہیں کہ امام عالی مقام ہر حالت میں طاہر مطہر ہوتا ہے ۔ جبکہ ایسا ہے تو پھر ان کو نوع انسان میں اگر جداگانہ حیثیت میں تصور کیا جائے تو کونسی گراہی ہے ہم اس لیے کہتے ہیں کہ نبیؑ و امامؑ مثل بشر ہیں نہ کہ عین بشر اور مثل بشر کہنے میں جنس تو بہر حال برقرار رہتی ہے ۔ اور اگر عین بشر کیا جائے تو ان کی عظمت و طہارت جو بالفطرۃ حاصل ہے متاثر ہوتی ہے کیا اچھا ہو اکہ اگر مقصرین اس پر غور کریں۔

حضرت امیر المومنین علی ابن ابطالبؑ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نور نبی (ص) اور

اہلبیت النبوۃ کو بہترین امانت گاہوں اور بہترین قرار گاہوں میں جگہ دی ہمیشہ اصلاب کریمہ اور ارحام مطہرات کی طرف منتقل ہوتے رہے جب پہلا گرز گیا تو پچھلا دین خدا کے قیام کے لیے اٹھا یہاں تک کہ کرامت الہی ظہور محمدی (ص) کی مقتضی ہوی پس اس کو افضل معادن سے نکالا ۔ اور عزیز ترین جڑوں سے اگایا ۔ اس درخت سے جس سے کہ اس نے انبیاء کو نکالا ہے اس کی عترت بہترین عترت ہے اور اس کی اصل بہترین اصل ہے اس کا درخت بہترین حرم میں اگا ہے ۔ اس فرمان مرتضوی سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبیؑ و امامؑ کی نوع ۔ عام نوع بشری سے جدا گانہ ہے یہ عین بشر نہیں لیکن بلکہ مثل بشر ہیں کیونکہ یہ مسلمہ امر کہ ہے جب خدائے تعالیٰ کسی امام کو خلق کرتا ہے تو ایک فرشتہ زیر عرش سے کچھ پانی لیتا ہے اور وہ پانی امام کے باپ کو پلاتا ہے پس اس پانی طاہر سے امام کی ولادت ہوتی ہے نہ کہ نطفہ نجس سے امامؑ ظاہری اور باطنی ولادت اور سبب ولادت ظاہر و مطہر ہوتا ہے ۔ اب ہم ولادت با سعادت حضرت امام العصر مہدی القائم جل اللہ فرجہ کا تذکرہ کرتے ہیں جناب شیخ جلیل فضل بن شاذاں جنہوں نے بعد ولادت حضرت امام العصر مہدی اقرالزمانہ (ع) اور قبل وفات امام حسن عسکرین (ع) وفات پای ہے محمد بن علی بن حمزہ بن الحسین بن عبیدہ اللہ بن عباس بن علی بن ابطالب (ع) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ حضرت امام حسن عسکری نے بیان کیا ۔ ولی خدا حجت حق اور میرے بعد میرا خلیفہ امام آخر الزمان ختنہ شدہ ۔ ۵ ار شعبان ۲۵۵ھ نزد طلوع صبح صادق پیدا ہوے اور اول اول جس نے اس کو غسل دیا وہ خازن بہشت تھا جسنے آپ کو نہر سلسبیل سے غسل دیا تھا ۔ بعد ازاں لوگوں نے راوی سے آپ کی والدہ کا نام دریاف کیا تو کہا کہ ان کی والدہ کا نام ملیکہ ہے انہی کو سوسن اس کو ریحانہ اور نر جس خاتون کہتے ہیں آپ کی مادر گرامی جب حاملہ تھیں تو آثار حمل ظاہر نہیں ہوے جسطرح کہ حضرت موسیٰ جب شکم مادر میں تھے تو ان کے آثار حمل بھی ظاہر نہیں ہوے اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ (امام مہدیؑ) مثیل موسیٰ ہیں ۔ ہمارے ائمہ معصومین سب کے سب پاک و پاکیزہ پیدا ہوے ہیں ان کو بعد پیدائش آب دنیا سے غسل طہارت نہیں دیا گیا حضرت امام

حسین (ع) کی پیدائش کے حالات میں بھی ایسا ہی مروی ہے کہ آنحضرت (ص) تشریف لائے فرمایا لاؤ مولود کو مجھے دو۔ صفیہ نے کہا کہ ابھی غسل نہیں دیا تو آپ نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ نے اس کو پاک و پاکیزہ پیدا کیا ہے تم اس کو کیا غسل دوگی یہ بھی روایات میں ہے کہ ہر ایک امام نے پیدا ہونیکے فوراً بعد سجدہ ادا کیا ہے اور کلمہ طیبہ پڑھا ہے۔ اور امام العصر (ع) نے پیدا ہونیکے بعد انگشت شہادت کو آسمان کی طرف بلند کیا۔ اور فرمایا اشھدان لاالہ الاوان جدی محمد ارسول اللہ وان ابی امیر المومنین حجۃ اللہ روایت مسعودی میں وارد ہوا ہے کہ امام حسن عسکری (ع) نے فرمایا اے پھوپی ہم گروہ انبیاء واوصیا شکموں میں نہیں اٹھائے جاتے۔ ہم کو مائیں پہلوؤں میں رکھتی ہیں۔ اور ہم دائیں ران کی طرف باہر آتے ہیں۔ (یہ نور خدا ہیں لہذا جب شکم مادر میں ہیں تو پاک پیدا ہوتے ہیں تو پاک زندگی پھر پاک اور جس قطعہ زمین میں دفن ہوں وہ خاک بھی پاک بن جاتی ہے) رحمہ اللہ علیکم اھل البیت۔ تمام ائمہ طاہرین کی ولادت کی یہ ہی شان ہے بس ائمہ طاہرین عین بشر نہیں بلکہ مثل بشر ہیں۔



بعض خصوصیات امامؑ

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ تقاضاء بشریت یہ ہے کہ انسان جب شکم مادر سے پیدا ہوتا ہے تو جاہل ہوتا ہے ان کی بشریت ومادیت علم کے حاصل کرنے میں ہمیشہ رہتی ہے ان کیلئے ظلمت وکثافت ضروری ہے سہو نسیان لازمی ہے نجاست یقینی ہے لیکن نبیؐ وامامؑ ۔عالم پیدا ہوتے ہیں ان کی پیدائش میں کثافت ونجاست نہیں ہوتی ۔ان کو سہو نسیان نہیں ہوتا ان کے لیے صورت ظاہری میں بشر ہونیکے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ تمام خواص وآثار طبعت جسمانیہ میں اپنی حیات وموت میں عام انسانوں کی طرح ہوں ۔ان کے اجسام کو آگ نہیں جلا سکتی (از بحار) وہ ایک عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہوتے ہیں انتقال کے بعد ان کے اجسام اسی طرح رہتے ہیں جیسے کے قبل انتقال تھے ۔قبر میں ان کے اجسام متغیر نہیں ہوتے ان کا جسد بوسیدہ نہیں ہوتا ۔زمین اس کو کھا نہیں سکتی جبکہ عام اجسام انسانی کا خاصہ یہ ہے کہ پسینہ بدبو رکھتا ہے نبیؐ وامامؑ کے پسینہ سے خوشبو آتی تھی جو اجسام مطہرہ کے لطیف وپاکیزہ ہونے کی نشانی ہے ۔اس خوشبو کی تائید حدیث کساء سے بھی ہوتی ہے جو ورد مومنین خاص وعام ہے ۔مقام حیرت ہے کہ مقصرین حضرات محض ظاہری شکل وصورت اور بعض چیزوں میں مماثلت دیکھ کر نبیؐ وامامؑ کو عین بشر سمجھتے ہیں حالانکہ ان حضرات کو مثل بشر کہنے اور سمجھنے سے ان کی نوع ۔نوع ملائکہ یا کوئی اور نوع نہیں بنتی مگر اتنا ضرور ہے کہ مثل بشر ہونیکا نظریہ ۔تقصیر وتحقیر سے پاک وصاف ہے کیونکہ اس نظریہ میں ان کے کمالات ذاتیہ کا اقرار واحترام مضمر ہے (ہماری مایۂ ناز تصنیف "معرفت امام مبین" ملاحظہ ہو)

اب ہم چند خصوصیات امام (ع) سپرد قرطاس کرتے ہیں جن پر ایمام رکھنا ضروری ہے امت مسلمہ ازروے قرآن ائمہ معصومین ہیں (سورۃ القصص آیت ۵۱ تا ۵۲ پ ۲۰) ملاحظہ ہو

ان آیات کی رو سے خصوصیات یہ ہیں :۔(۱) اس امت مسلمہ کو علم کتاب قبل پیدائش دیا جاتا ہے (۲) وہ کتاب خدا پر کامل ایمان رکھتے ہیں ان کے پاس شک وشبہ کا گزر نہیں ہے (۳) جب کتاب خدا کی تلاوت ہوتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اس پر ہمارا ایمان ہے یعنی (۴) یہ کتاب ہمارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوئی ہے (۵) وہ کہتے ہیں ہم پہلے ہی سے اسلام لائے ہوے ہیں یعنی کہ ہم ہی سابق الاسلام ہیں ۔(۶) ان لوگوں کو دوہرا اجر دیا جاے گا (۷) دوہرا اجر اس لیے دیا جاے گا کہ یہ صبر کرنے والے ہیں (جب مقصرین ان کے فضائل میں ایراد و اعتراض کرتے ہیں تو یقیناً اس آیۂ برحق کی رو سے حضرت امام العصر عجل اللہ فرجہٗ صبر فرماتے ہونگے خداوند عالم کی بارگاہ سے دوہرے اجر کے مستحق اور کوئی تعجب نہیں کہ مقصرین اگر بغیر توبہ مرجائیں تو دوہرے عذاب کے حقدار ہوں)(۸) ان کی شان یہ ہے کہ وہ بدی کو نیکی کے ذریعے رفع کرتے ہیں یعنی ان کی صورت اہل ایمان کیلئے وجہ مغفرت ہے اور بدی کو نیکی کے ذریعہ رفع کرنیکی مثال یہ ہے کہ یہ اپنے قاتل کے ساتھ بھی حسن سلوک سے پیش آتے ہیں (۹) اپنی روزی کو راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں ۔اور اپنے لیے کفایت شعاری اختیار کرتے (۱۰) لغو اور بیہودہ لگاؤ اور غیبت سننے سے اعراض کرتے ہیں (۱۱) کہتے ہیں کہ ہمارا دین ہمارے لیے اور تمہارا دین تمہارے لیے ہے یعنی کہ امن و صلح پسند ہیں (۱۲) وہ اپنی سلامت روی کا ثبوت سلام کرنے میں سبقت کے ساتھ دیتے ہیں یہ بارہ صفات ائمہ اہلبیتؑ میں ہیں کہ جنکو مقصرین عین بشر کہتے ہیں ۔

امام منصوص من اللہ کی بارہ صفات جو اس امر کی واضح دلیل میں ہیں کہ امام منصوص من اللہ صرف مثل بشر ہے نہ کہ عین بشر ہیں :۔

(۱) امام ناف بریدہ اور ختنہ شدہ پیدا ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ عقیقۂ امام کا ذکر روایات میں ملتا ہے جبکہ ہماری نظر سے ختنہ کے بارے میں کوئی ایسی روایت نہیں گزری کہ جسمیں یہ ذکر ہو کہ پیدا ہونے کے بعد ختنہ کرائی گئی ہوں ۔

(۲) امام پیدائشی عالم ہوتا ہے ۔(۳) امام پیدا ہونے کے بعد فوراً ہاتھ زمین پر ٹیک کر سر

آسمان کی طرف بلند کر کے کلمہ شہادت اپنی زبان پر جاری کرتا ہے (۴) امام کو بد خوابی نہیں ہوتی ۔ وہ ہمہ وقت پاک رہتا ہے (۵) امام دعام انسانوں کی طرح جنب نہیں ہوتا ۔ (۶) امام پیدائشی طاہر و مطہر ہوتا ہے (۷) امام کی آنکھ ظاہراً سوتی ہے مگر وہ باطنی طور پر بیدار رہتا ہے کیونکہ وہ اعمال انسانی پر منجانب خدا شاہد و گواہ ہے (۸) امام کو جمائی اور انگڑائی نہیں آتی (۹) امام عقب سے بھی اسی طرح دیکھتا ہے جسطرح سامنے سے دیکھتا ہے ۔ (۱۰) امام کا بول و براز زمین پوشیدہ کر لیتی ہے (۱۱) فرشتے اس سے کلام کرتے ہیں (۱۲) زرہ رسول خداؐ امام کے جسم مبارک پر پوری آتی ہے ان تمام صفات مذکورہ پر ایمان رکھنا ضروری ہے ان میں سے کوئی صفت غلو نہیں ہے ۔ (ہماری کتاب "معرفت امام مبین" ملاحظہ ہو جس کو پاک و ہند کے مستبصرین مومنین نے بہت پسند کیا ہے اور حرز الایمان لکھا ہے)



امام (ع) کو موت خود ان کے اختیار سے واقع ہوتی ہے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے " لایموتون الا باختیارهم "
یعنی کہ وہ اپنے اختیار سے مرتے ہیں۔ عناصر اربعہ میں سے کوئی شے ان کو ضرر نہیں پہونچاتی
مگر ان کے ارادہ کے ساتھ۔"

چند واقعات بطور مشاہدہ حسب ذیل ہیں:۔

یہ کہ کتب معتبرہ میں لکھا ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کو کئی بار زہر دیا گیا۔ مگر ہر بار آپ نے صحت پائی کیونکہ عناصر اربعہ میں سے ہر ایک شے تحت ولایت تابع امام (ع) ہے جب تک کہ ولی برحق اجازت نہ دے۔ کوئی تلوار کوئی زہر اثر نہیں کر سکتا۔ زہر کے اثرات موت پر منتج ہوتے ہیں یعنی کہ زہر سے موت وارد ہو جاتی ہے لیکن اثر کا نہ ہونا ظاہر کرتا ہے کہ امامؑ نے زہر کو اجازت نہیں دی اور اثر ظاہر نہ ہوا۔ اور جب آپ کی زوجہ۔ جعدہ بنت اشعث بن قیس نے ایک کوزہ آب جو خاص آپ کے پینے کا سربہ مہر کیا تھا اس پارچہ پر کہ جو اس کے بہ مہر بندھا تھا سفوف الماس ڈال کر گھس دیا اور وہ کپڑے سے چھن کر پانی میں ملیگا۔ اور اسی پانی سے آپ کی شہادت واقع ہوئی۔ کیونکہ بعلم امامت آپ کو معلوم تھا کہ اس مرتبہ زہر سے موت کا واقع ہونا ضروری ہے پس آپ نے زہر پر سے اپنی ولایت اٹھائی اور آپ کی شہادت واقع ہوئی۔

بروایتے روز عاشوراء محرم بوقت چاشت جنگ شروع ہوئی۔ تو عمر بن سعد ملعون نے اپنی فوج کے تیراندازوں کو حکم دیا کہ بیک وقت سب ملکر تیر رہا کریں چنانچہ دس ہزار تیراندازوں نے بیک وقت ملکر تیر رہا کئے۔ اور سب تیروں کا نشانہ حضرت امام حسین (ع) اور آپ کے اصحاب و انصار و اقرباء تھے۔ لیکن ان تیروں میں سے کسی ایک تیر سے نہ کوئی زخمی ہوا اور نہ ہی شہید ہوا۔ کیونکہ حضرت امام حسین (ع) نے ان تیروں پر سے اپنی ولایت نہیں اٹھائی تھی ہر ایک شے تحت ولایت تھی۔ جو تیر امام حسین (ع) کی طرف یا خیام امام

حسین تک آتا وہ زمین پر گرتا اور زمین میں گڑھ جاتا تھا۔ اگر دس ہزار تیروں میں سے انتہائی کم تعداد میں تیر اپنا کام کرتے تو چند منٹوں میں امام حسین (ع) شہید ہوتے لیکن ہنگام عرصہ تک امام حسین (ع) کے جسم مبارک پر کوئی زخم نہیں لگا تھا۔ اور جب آپ نے اپنی ولایت اٹھای تو تیر و تلوار نیزہ و پتھر سے چند لمحوں میں آپ کے جسد مبارک ایک ہزار نو سو پچاس زخم لگے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام (ع) کی موت (شہادت) ان کے اپنے انحصار سے ہوتی ہے جو کہ تحت مشیت الٰہیہ ہوتی ہے۔

انبیاء سابقین میں جناب یونسؑ کا واقعہ کتابوں میں موجود ہے کہ آپ بروایتے چالیس روز یا بروایتے کم از کم تین روز شکم ماہی میں رہے اور زندہ رہے جناب موسیٰ (ع) جب پیدا ہوے تو آپ کی والدہ ماجدہ نے فرعون کے خوف سے آپ کو پیدا ہونے کے بعد تنور میں چھپا دیا تھا اور تنور پر لکڑیاں رکھ دی تھیں۔ ان کی کنیز نے آگ روشن کر دی مگر جب مادر موسیٰ نے تنور کھولا دیکھا کہ موسیٰ صحیح و سالم ہیں اور آگ نے ان پر اثر نہیں کیا حضرت ابراہیمؑ نے جب نمرودی آتش کدہ میں قدم رکھا آگ گلزار ہو گئی۔ ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ انبیاء اللہ جب تک حکم نہ دیں عناصر اربعہ ان پر اثر نہیں کرتے۔ اسی لیے حج اللہ کی موت خود ان کے اختیار سے واقع ہوتی ہے لیکن پھر بھی بعض لوگ یہی کہتے ہیں کہ نبیؑ و امامؑ ہم جیسے بشر ہیں۔

نوٹ:۔ کتاب دلائل ولایت۔ ولایت اور علم امامؑ۔ مصنف حسن الجہ الکرہ کہری مطبوعہ تہران ملاحظہ ہو۔

تعریف امام بزبان حضرت امام رضا(ع)

اکمال الدین عیون الاخبار و امالی اور اصول کافی میں عبدالعزیز بن مسلم سے مروی ہے کہ جب ہم حضرت امام رضا علیہ السلام کے ہمراہ مقام مرو میں تھے پس بروز جمعہ ہم جامع مسجد میں گئے اور وہاں امر امامت پر بحث شروع ہو گئی۔ لوگوں نے مختلف رائیں ظاہر کیں کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ جب میں امام اعلمقام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور لوگوں کا امر امامت کے بارے میں نظریہ بیان کیا۔ پس حضرت امام رضا علیہ الصلوٰۃ والسلام مسکرائے اور فرمایا (ہم صرف ترجمہ سپرد قرطاس کرتے ہیں) کہ اے عبدالعزیز یہ لوگ بالکل ناواقف ہیں۔ ان کی رایوں نے دھوکا کھایا ہے خداوند بزرگ و برتر نے جب تک دین اسلام کو کامل نہیں کر لیا اپنے نبیؐ کو اس جہان سے نہیں ملایا۔ ان پر قرآن نازل فرمایا۔ جس میں ہر شے کا بیان مفصل مذکورہ ہے حلال و حرام حدود احکام ہے اور کل ضروریات انسانی کو اس میں بیان فرمایا ہے پس ارشاد فرمایا ہے "ما فرطنا فی الکتاب من شی، ہم نے اس کتاب میں کوئی بات باقی نہیں رکھی۔ اور حجۃ الوداع میں جو حضرت ختمی مرتبت کی عمر کا آخری حصہ تھا آیہ مجید، الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا (سورۃ المائدہ آیت نمبر ۳) آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے اس دین اسلام کو پسند کیا) نازل فرمای اور امر امامت اتمام دین سے ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عقبیٰ کو اختیار نہیں فرمایا جب تک کہ اپنی امت کو معالم دین نہ فرمادیئے اور واضح کر دیا ان کے راستے کو۔ اور ڈال دیا ان کو راہ حق پر۔ اور قائم کر گئے ان کے لیے علیؑ کو علم اور امام یعنی نشان اور پیشوا اور وہ ہر شے جسکی امت کو ضرورت تھی بیان فرمادی۔ پس جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ خداوند عالم نے اپنا دین کامل نہیں کیا بالتحقیق اس نے کتاب خدا کو رد کیا اور جو کتاب خدا کو رد کرتا ہے وہ کافر ہے۔ کیا تم جانتے ہو کہ قدر امامت کیا ہے اور

امت میں اسکا کیا کچھ محل و مقام ہے کہ جائز ہو اس میں تصرف! بالتحقیق امامت کی قدر اور امن اس کی شان اور اس کا مکان اور اس کے اطراف اور جوانب اور اس کی گہرای اس بات سے کہیں عظیم و اعلیٰ ہے محفوظ اور بعید ہے کہ لوگ اپنی عقلوں سے اس تک پہونچیں یا اپنی عقلوں سے اس کو حاصل کریں یا امامؑ کو اپنے اختیار سے قائم کریں۔ امامت وہ ہے کہ خصوصیت کے طور پر خدائے عزوجل نے ابراہیمؑ خلیل کو بعد نبوت و خلت کے عنایت فرمائی ہے۔ پس امامت نبوت اور خلت کے بعد کا تیسرا درجہ ہے اور وہ فضیلت حاصل ہے کہ اس سے ابراہیمؑ کو شرف ملا۔ اس سے ان کے تذکرہ کو محکم فرمایا۔ پس ارشاد ہوا اِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (سورۃ آیت نمبر) اے ابراہیمؑ میں تجھکو لوگوں کا امام بناؤں گا۔ پس یہ سنکر جناب خلیل خدا نے خداوند عالم سے عرض کیا۔ کہ کیا یہ مرتبہ میری ذریت کو بھی پہونچے گا۔ پس ارشاد ہوا کہ ہاں پہونچے گا۔ مگر جو ظالم ہیں ان کو نہیں پہونچے گا۔ پس اس آیت نے ہر ظالم کی امامت کو قیامت تک کے لیے باطل کر دیا۔ اور امامت کو صرف معصومین میں باقی رکھا ہے پھر خداوند عالم نے جناب ابراہیمؑ کی تعظیم و تکریم کے لیے ان کی ذریت میں معصومین اور مطہرین کو خلق فرمایا اور ارشاد ایا وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحٰقَ ط وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً ط وَكُلًّا جَعَلْنَا صَالِحِينَ وَجَعَلْنٰهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَاءَ الزَّكٰوةِ ج وَكَانُوا لَنَا عٰبِدِينَ ○ (سورۃ الانبیاء، آیت نمبر ۷۲)

ہم نے ابراہیمؑ کو اسحاق اور یعقوب عنایت فرمائے۔ ان کو صالح بنایا۔ اور ہم نے ان کو امام بنایا کہ ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کریں اور ہم نے ان کو وحی کی کہ کل اچھے کام بجا لائیں اور نماز کو قائم کریں اور زکواۃ ادا کریں۔ اور وہ سب خاص ہماری عبادت کرتے تھے۔ پس یہ عقدہ امامت جناب ابراہیمؑ کی ذریت میں بطور میراث کے جاری رہا۔ اور ایک کے بعد دوسرا انکا وارث ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ خدائے عزوجل نے اپنے حبیبؐ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وارث بنایا۔ اور ارشاد فرمایا۔ اِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرٰهِيمَ

لِلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ

(سورۃ آل عمران آیت نمبر ۶۸) بالتحقیق سب سے زیادہ مستحق ورثہ ابراہیم وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس کی پیروی کی ہے۔ اور یہ نبی اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور خدا مومنین کا ولی ہے۔ پس یہ عہدہ امامت خاص نبی اکرم باعث ایجاد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تھا پس اس جناب نے بحکم پروردگار اس عہدہ جلیل الشان کو بطریق سنت خداوندی اپنے بھائی علی ابن ابطالب (ع) کو سونپا پس علی بن ابطالب (ع) کی ذریت میں اصفیا اتقیا پیدا ہوئے جنکو خداوند عالم نے علم وہبی اور ایمان لدنی عنایت فرمایا۔ جس کا بیان ایہ مجیدہ میں مذکور ہے وقال الذین اوتو العلم والایمان لقد لبثتم فی کتاب اللہ الیٰ یوم البعث (سورۃ الروم آیت نمبر ۵۶) اور کہو گے وہ لوگ جن کو علم اور ایمان خداوند عالم کی طرف سے عطا ہوا ہے بالتحقیق تم کتاب اللہ یعنی دنیا یا برزخ میں یوم بعث تک ٹہرے ہو پس وہ امامت اب اولاد علی ابن ابطالب (ع) میں قیامت تک محصور اور مخصوص ہے۔ کیونکہ انحضرت (ص) کے بعد کوئی نبی نہیں ہے پس یہ جہاّل کہاں سے امامت کو اختیار کرتے ہیں۔ کیونکہ مقام انبیاء اور میراث اوصیاء ہے بالتحقیقت کہ امامت خلافت اللہ اور خلافت الرسول ہے اور مقام امیرالمومنین (ع) ہے اور میراث حسنؑ و حسینؑ ہے۔ بالتحقیق کہ امامت سلک دین ہے نظام مسلمین ہے۔ دوستی دنیا و دین ہے اور عزت و وقار مومنین ہے امامت بالتحقیق اصل اسلام عالی اور اس کی فرع متعالی ہے امام سے کامل ہوتی ہے نماز زکواۃ روزہ حج اور جہاد اور زیادتی غنیمت اور صدقات کی اور جاری کرنا حدود اور احکام کا۔ اور حفاظت سرحد اور اطراف کی۔ امام وہ ہے جو حلال کرتا ہے حلال خدا کو حرام کرتا ہے حرام خدا کو اور قائم کرتا ہے حدود اللہ کو اور حفاظت کرتا ہے دین خدا کی۔ اور بلاتا ہے لوگوں کو اپنے پروردگار کی سبیل کی طرف حکمت موعظۂ حسنہ اور حجت بالغہ کے ساتھ امام شمسِ نصف النہار کی طرح ہے جو اپنی شعاع ضیا بار سے عالم کو روشن کرتا ہے اور خود اس قدر بلند مقام پر ہوتا ہے کہ مذکورہ تو وہاں تک کوئی ہاتھ پہونچ سکتا ہے اور نہ نظر کام کر سکتی ہے۔ امام بدر منیر چراغ روشن۔ نور ساطع اور ستارہ

راہبر ہے۔ راتوں کی تاریکیوں میں شہروں کے چوراہوں پر چٹیل میدانوں میں اور بے تھاہ سمندروں میں امام آب شریں ہے پیاسے کے لیے۔ راہبر سے ہدایت کی طرف اور نجات دینے والا ہے ہلاکت سے امام آگ ہے بلند مقام پر۔ اور کئی ترین قحط سالیوں میں جیسے کہ عرب کے کئی لوگ قحط سالیوں میں آگ روشن کر دیتے تھے تاکہ بھولا بھٹکا دور سے اسے دیکھ لے اور ان کے پاس آجائے اور شدت سرمائے نجات پائے امام راہبر ہے خوفناک مقاموں میں جو اس کو چھوڑ دے گا۔ وہ ہلاک ہو جائے گا امام بادل ہے ہر برسنے والا گھٹا ہے جھڑی والی۔ سورج ہے ضیا بار آسمان ہے۔ سایہ دار۔ زمین ہے پر فضا چشمہ ہے جاری تالاب ہے پانی سے بھرا جرا۔ ہوا اور سبزہ زار ہے بر بہار امام انیس ورفیق اور مثل والد شفیق ہے۔ حقیقی بھاں بھائی کی مثل ہے۔ مادر مہربان اور آفتوں میں اور بلاؤں میں جائے پناہ ہے۔ امام خداوند عالم کا امین ہے اس کی مخلوق میں اور حجت ہے اس کی اس کے بندوں میں۔ اور خلیفہ ہے اس کا اس کی سلطنت میں اور بلانے والا ہے طرف اللہ کے۔ اور حافظ ہے اس کے حرم کا۔ امام گناہوں سے پاک اور عیوب سے بری ہے مخصوص ہے علم سے مخصوص ہے حلم سے۔ دین کا نظام ہے مسلمانوں کی عزت ہے۔ منافقوں کیلئے غیظ و غضب ہے۔ کفار کیلئے ہلاکت ہے۔ امام یکتا ہے اپنے زمانہ کا۔ اور نہ اسکا بدل ہو سکتا ہے نہ اس کا مثل و نظیر ہوتا ہے۔ تمام فضائل اس کے ساتھ مخصوص بغیر طلب و اکتساب کے ہیں اور یہ اس کو ایک خصوصیت ملی ہے۔ مفضل وہاب سے پس کون ہے کہ جو معرفت امام حاصل کر سکے۔ اور کس کی مجال ہے کہ اپنی مرضی سے جس کو چاہے امام بنائے۔ بہت دور ہے لاعقل و گمراہ ہے دانش پریشان ہے۔ آنکھیں چندھیا گئی ہیں بڑے بڑے حقیر ہو گئے۔ حکماء متحیر ہیں۔ صاحبان دانش قاصر ہیں۔ خطباء گنگ ہیں۔ دانا جاہل ہیں شعراء تھک گئے۔ ادباء عاجز ہو گئے۔ بلخارہ گئے کہ امامؑ کی کوئی فضیلت شان بیان کریں سب نے اپنے عجز و تقصیر کا اعتراف کیا ہے۔ اور کیوں کر اس کے سارے اوصاف یا نعت یا کنہ بیان ہو سکے۔ یا اس کے امر کی کنہ سمجھ میں آئے۔ یا اس کا کوئی قائم مقام ہو سکے یا اس سے مستغنی ہو سکے۔ ہرگز نہیں۔ کس طرح اور کہاں وہ تو ثریا

کی طرح لوگوں کے ہاتھوں اور تعریف کرنے والوں کی زبان سے بلند اور دور ہے۔

پس ایسے کو کہاں اختیار کر سکتے ہیں۔اور اس تک عقلیں کب پہونچ سکتی ہیں اور ایسا کہاں سے ہو سکتا ہے۔کیا تم خیال کر سکتے ہو کہ ایسا شخص غیر آل رسولؑ میں مل سکتا ہے قسم بخدائے عزوجل کہ ان کے نفوس نے ان کو دھوکا دیا ہے۔اور ان کے خیالات باطلہ نے ان کو جھوٹی آرزو میں رکھا ہے۔پس چڑھ گئے ہیں۔ایک مقام دشوار گزار اور مہلک پر سے پھسل کر تحت الثریٰ میں گریں گے۔قصد کیا ہے انہوں نے امامؑ کو مقرر کرنا۔اپنی عقول ناقصہ سے اور گمراہ راویوں سے پس نہیں ترقی کی انہوں نے مگر یہ کہ امام برحق سے بہت دور ہو گئے ہیں۔قاتلہم انی یوفکم بالقیق انہوں بڑی جرت کی ہے اور جھوٹ کہا ہے اور سخت گمراہی میں پڑگئے ہیں۔اور دیدہ دانستہ امام برحق کو چھوڑ کر حیران ہو گئے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نظروں میں مزین کر رکھا ہے۔پس طریق حق سے ان کو روک دیا ہے حالانکہ سمجھ دار تھے اللہ اور اس کے رسولؑ کے اختیار سے اعراض کرکے اپنے اختیار کو انہوں نے ترجیح دی ہے۔اور حالانکہ قرآن مجید پکار کر کہہ رہا ہے۔وربک یخلق مایشاء ویختار ماکان لہم الخیرۃ سبحان اللہ وتعالیٰ عما یشرکون O (سورۃ القصص آیت نمبر ۶۸) یعنی کہ تیرا پروردگار جو چاہتا ہے خلق کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے مختار بناتا اور ان کو یہ حق حاصل نہیں کہ جس کو چاہیں اپنی مختار بنالیں۔خداوند عالم ان کے اس شرک فی الاختیار سے مقدس ہے۔اور دوسری آیت میں خدائے بزرگ و برتر ارشاد فرماتا ہے وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ط

(سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۳۶)

یعنی کسی مومن اور مومنہ کو اختیار نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسولؑ کسی امر کا فیصلہ کر دیں تو وہ اپنی مرضی سے اس میں تغیر و تبدل کریں۔اور ارشاد فرماتا ہے۔مالکم کیف تحکمون O (سورۃ والنصف ایت نمبر ۷۹) تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کیسے حکم لگاتے ہو۔اب تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جسمیں پڑھتے ہو اور تمہارے واسطے اس میں جو کچھ چاہو

موجود ہے۔ یا تمہارا عہد و پیمان کامل ہم پر قیامت تک یہ ہے کہ جو کچھ تم حکم لگاؤ۔ وہ ہم کو منظور ہے اے پیغمبرؐ خدا ان سے پوچھو تو سہی۔ اس بات کا تم میں سے کون ذمہ دار ہے یا ان کے شرکاء ہیں پس چاہئے کہ وہ اپنے شرکاء کو بلائیں۔ اگر اپنے دعوے میں سچے ہیں۔ اور ارشاد فرماتا ہے افلا یتدبرون القران O کیوں یہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں۔ یا اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے پس وہ کچھ نہیں سمجھ سکتے۔ یا وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا ہے اور حالانکہ نہیں سنتے۔ بالتحقیق کہ اللہ کے نزدیک سب سے برا چلنے پھرنے والا وہ ہے جو کچھ نہیں سنتا اور سمجھتا۔ اور اگر اللہ کو ان میں کچھ بھلائی نظر آتی ہے تو وہ ضرور ان کو سننے والا بناتا اور اگر سننے والا بناتا تب بھی وہ حق سے اعراض کرکے بھاگتے یا وہ کہتے ہم نے سنا لیکن ہم مخالفت ہی کریں گے۔ (خیر جو کچھ ہو) امامت فضل خدا ہے جسکو خداوند عالم چاہتا ہے اپنے فضل سے ممتاز بناتا ہے واللہ ذوفضل عظیم پس کس طرح وہ امام کو خود اختیار کر سکتے ہیں اور حالانکہ امام ایسا عالم ہے کہ کوئی شے اس سے پوشیدہ نہیں ہے اور ایسا داعی ہے کہ تنگ نہیں ہوتا معدن اور منبع ہے۔ قدس۔ طہارت۔ نسک زہادت علم اور عبادت کا مخصوص ہے دعوت رسولؐ اور نسل مطہر بتولؑ سے ان کے نسب میں کوئی شبہ نہیں اور حسب میں کوئی اس کا مقابل نہیں خاندان میں قرشی اصل میں ہاشمی ہے۔ عترت ہے رسولؐ کی اور خوشنودی ہے خدا کی۔ اشرافوں کا اشرف ہے اور عبد مناف کی فرع ہے۔ نامی العلم حامل بار امامت۔ عالم علم سیاست۔ مفروض الطاعت قائم بامر اللہ بام خیر خواہ عباد محافظ دین خدا ہے بالتحقیق کہ انبیاء اور ائمہ (ع) موفق باللہ ہوتے ہیں اور خداوند عالم ان کو اپنے علم مخزون سے اور حکمت سے سب سے زیادہ حصہ عطا فرماتا ہے پس ان کا علم کل علماء زمانہ سے زیادہ ہوتا ہے۔ جس کا تذکرہ خداوند عالم نے اس آیت میں کیا ہے۔ افمن یھدی الی الحق احق ان یتبع امن لایھدی الاان یھدی فمالکم تحکمون O (سورۃ یونس آیت نمبر ۳۵) کیا وہ شخص جو حق کی طرف ہدایت کرتا ہے زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ شخص جس میں ہدایت کی قابلیت ہی نہیں اور دوسرے کی ہدایت کا محتاج ہے پس تمہیں کیا ہوگیا

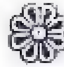
ہے تم کس طرح کے حکم لگاتے ہو۔ اور فرمایا ہے

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا (سورۃ البقرآیت نمبر ۲۶۹) جس کو منجانب اللہ حکمت ملی ہے بالتحقیق اس کو خیر کثیر عطا ہوا۔ اور اس آیت میں جو طالوت کے متعلق نازل ہوئی ہے ان اللہ اصطفٰہ علیکم وزادہ بسطۃ فی العلم والجسم واللہ یوتی ملکہ من یشاء واللہ واسع علیم (سورۃ البقرآیت نمبر ۲۴۷) بالتحقیق کہ اللہ نے اس کو تم پر مختار بنایا۔ اس واسطے اس کو علم اور جسم میں زیادتی عطا کی۔ اور اللہ عطا کرتا ہے اپنا ملک جس کو چاہتا ہے۔ اور اللہ صاحب وسعت اور علیم ہے۔ اور اپنے نبی کریمؐ روف و رحیم کی نسبت ارشاد فرمایا ہے

وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا (سورۃ انساء آیت نمبر ۱۱۳)

اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور ان چیزوں کی تعلیم دی ہے جس کو تم نہیں جان سکتے تھے۔ اور اللہ کا فضل ہمیشہ سے تم پر عظیم ہے۔ اور ائمہ اہل بیت نبیؐ عترت نبیؐ اور ذریت نبیؐ کی نسبت ارشاد فرماتا ہے۔ ام یحسدون الناس علی ما اتاھم اللہ من فضلہ فقد اٰیتنا ال ابراھیم الکتاب والحکمۃ اتینھم ملکا عظیما ○ فمنھم من امن بہ ومنھم من صدعنہ وکفی بجھنم سعیرا ○ کیا ان فضائل پر جو خداوند عالم نے اوصیاء رسول کی عنایت فرمانے میں لوگ حسد کرتے ہیں پس اس سے پہلے بھی تو ہم نے آل ابراہیمؑ کو کتاب وحکمت اور ملک عظیم عطا فرمایا تھا پس بعض ان میں سے ان پر ایمان لائے اور بعض رک گئے۔ اور جہنم ان کے عذاب کے لیے کافی ہے۔ بالتحقیق جب خداوند عالم کسی عبد کو اپنے عباد کے امور کیلئے اختیار کرتا ہے تو اس کے صدر (سینہ) کو وا فسح کر دیتا ہے اور اس کے قلب میں ینابیع حکمت جاری فرماتا ہے اور اس کی ہر طرح کا علم الہام کر دیتا ہے پس وہ کسی سوال کے جواب دینے سے عاجز نہیں اور نہ اسمیں جواب سے متحیر ہوتا ہے پس وہ معصوم ہے موید ہے مسدد ہے۔ ہر طرح کی خطا اور لغزش سے محفوظ ہے۔ اللہ اس کو ان امور سے مخصوص فرماتا ہے تاکہ اس کے عباد میں اس کی حجت ہو اور اس کی مخلوقات میں اس کا شاہد ہو۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل

العظیم O (سورۃ الجمعہ آیت نمبر۴) پس وہ لوگ اسے پر قدرت رکھتے ہیں جو اپنی مرضی سے اختیار کریں یا ان کا اختیار کہ وہ ان صفات سے موصوف ہو سکتا ہے کہ اس کو مقتدا بنائیں بیت اللہ کی قسم کہ یہ لوگ حق سے تجاوز کر گئے اور کتاب خدا کو انہوں نے پس پشت ڈال دیا ہے گویا کہ کچھ جانتے ہی نہیں اور حالانکہ کتاب خدا میں ہدایت اور تدبیر ہے پس اس کو تو انہوں نے چھوڑ دیا ہے۔اور اپنی خواہشوں کی پیروی کر لی ہے۔پس خداوند عالم نے ان کے مذمت کی ہے ان کو مورد عذاب و ہلاکت قرار دیا ہے۔اور اس سے بھی زیادہ کوئی گمراہ ہے کہ جس نے محض اپنی ہوائے نفسانی کی پیروی اختیار کر لی ہے۔اور حالانکہ اللہ نے اس کو ہدایت نہیں کی ہے پس وہ ظالم ہے اور خداوند تعالیٰ ظالموں کو ہرگز ہدایت نہیں کرتا پس ہلاکت ہے ان کے لیے اور ان کے سارے اعمال بیکار ہیں"



حضرات محمد وآل محمد(ص) مظہر صفات خدا ہیں

مظہر ، صفات کے ارزوے لغت معنی ہیں صفت ظاہر ہونیکی جگہ اور صفات جمع ہے صعف کی جسکے معنی ہیں تعریف علامت نشان کسی شے کا پس مظہر صفات الہیہ کے یہ معنی ہوے کہ خداوند تعالیٰ کی تمام صفات کا " نشان " قبل اس کے کہ مظہر صفات خدا کی نشاندہی کی جاے اس مقام پر اتنا ہی تحریر کر دینا کافی ہے کہ کائنات میں کونسی ایسی شے ہے کہ جو خدا کی صفات کی مظہر نہیں مگر ہر ایک کے اپنے اپنے مدارج ہیں اس موضوع کے پیش نظر چند سوالات وایراد ذہن میں ابھرتے ہیں جو کہ یہ ہیں :۔

(۲) کیا مظہر ہونے کے یہ معنی ہیں کہ خدا نے اپنی صفات کسی دوسرے کو تفویض کر دی ہیں ؟

(۱) کیا " صفات عین ذات خدا نہیں ہیں ؟

یہ مسلہ امر ہے کہ خداوند عالم کی ذات ہر حیثیت سے کامل واکمل ہے اور جس قدر کمال کے آثار ہو سکتے ہیں وہ سب کے سب خدا کی ذات کے لیے ثابت ہیں خداوند عالم کی صفات ہماری صفات کی طرح نہیں ہیں کہ اس کی ذات سے جدا ہوں یعنی اس کی ذات کے لیے علیحدہ صفات جو ذات سے علاوہ ہوں موجود نہیں ہیں بلکہ صفات عین ذات ہیں اس اعتبار سے وہ ذات ہی ذات ہے ۔ اقرار صفات خدا بہر حال ضروری ہے کیونکہ ہم معرفت صفاتی حاصل کرنے کے مکلف ہیں اور کنہ ذات خدا کی معرفت محال ہے اور مفید آخرت بھی نہیں ہے اور نہ ہی کوئی شخص کنہ ذات خدا کی معرفت حاصل کر سکتا ہے پس صفات خدا کی معرفت حاصل کرنا ضروری ہے تاکہ صفت اسلام معتبرہ۔

اتنا سمجھ لو کہ وہ ہستی ہے ہمیں سے یہ امر بھی ثابت ہوتا ہے کہ ذات خدا اور صفات کوئی دو چیزیں نہیں بلکہ صفات عین ذات ہیں کیونکہ جب صفات سلبیہ کی نفی ہوگی تو

صفات ہونے کا اطلاق عین ذات پر ہوگا۔ لہذا تقاضائے عقل یہی ہے کہ کسی ذات کا مظہر صفات خدا ہونا ضروری ہے کہ جس کو دیکھ کر خدا کی ذات پہچانی جائے۔ اور مظہر صفات ہونکے لیے تفویض کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ دین کا پہلا زینہ خدا کی معرفت ہے۔

حضرت صادق آل محمد سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا لم یزل اللہ جل وعز ربنا والعلم ذاته ولا معلوم والسع ذاته ولا مسموع والبصر ذاته ولا مبصر والقدرة ذاته ولا مقدور فلما احدث الاشياء وكان المعلوم وقع العلم منه على المعلوم والسمع على المسموع والبصر على المبصر والقدرة على المقدور۔ یعنی ہمیشہ سے ہمارا خدائے عزوجل ایسا ہے کہ علم اس کا عین ذات ہے جبکہ کوئی معلوم نہ تھا تب بھی عالم تھا اور سمع اس کا نفس ذات ہے جبکہ کوئی چیز مسموع نہ تھی تب بھی وہ سمیع تھا اور بصر اس کی نفس ذات ہے جبکہ کوئی مبصر نہ تھا تب بھی وہ بصیر تھا اور قدرت اس کی عین ذات ہے جبکہ کوئی مقدور نہ تھا تب بھی وہ قادر تھا پھر جب اس نے اشیاء عالم کو حادث کیا اور معلوم کا وجود ہوا تو اس کا علم ذاتی اس معلوم پر واقع ہوا اور اس کا سمع۔ مسموع پر اور اس کی بصر مبصر پر اور قدرت مقدور پر واقع ہوتی۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے دریافت کیا کہ آیا خدا ہمیشہ سے متکلم بھی ہے تو آپ نے فرمایا کہ کلام صفت حادثہ ہے ازلی صفت نہیں ہے (توحید بحار) اگر معصومین کے مذکورہ ارشادات کو لبغور دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی صفات عین ذات ہیں۔ یعنی صفات ذات سے جدا نہیں ہیں اگر ذات وصفات جدا جدا تسلیم کر لی جائیں تو اس کے یہی معنی ہوں گے کہ خدا کے لیے ایک دوسرا ساتھی تسلیم کر لیا۔ حالانکہ خدا واحد مطلق ہے اور اس کے لیے دوی باطل ہے اور جبکہ علم وقدرت عین ذات ہیں اور ذات خدا ازلی ہے یعنی کہ وہ ہمیشہ سے ہے تو حیات بھی صفت عین ذات ہے۔ کیونکہ

صاحب حیات ہی سے علم وقدرت ظاہر ہو سکتے ہیں ۔پس علم قدرت حیات یہ تینوں صفات عین ذات خدا ہیں اور یہی تینوں صفتیں بہ عطیہ خداوندی بنی نوع انسان میں بھی فی الجملہ پائی جاتی ہیں اگر خداوند عالم یہ صفات انسان کو عطا نہ کرتا ۔ تو پھر تخلیق عبث ہو جاتی اور معرفت خدا نہ ہوتی حالانکہ مطلوب و مقصود محبوب امر یہ ہی ہے کہ خداوند عالم کی معرفت حاصل ہو پس یہیں سے یہ نتیجہ اخذ ہو سکتا ہے کہ ضرور کوئی ذات نقطہ اولیت موجودات ہے خواہ وہ ذات عالم امر سے متعلق ہو یا عالم خلق سے ۔ابتداعالم ایک ذات سے ضرور وابستہ ہے جیسا کہ ارشادہ صادق علیہ السلام میں مذکور ہے کہ فلما احدث الاشیاء وکان المعلوم وقع العلم یعنی پھر جب خدائے عزوجل نے اشیاء عالم کو خلق فرمایا اور معلوم کا وجود ہوا تو اس کا علم ذاتی اس معلوم پر واقع ہوا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اول مخلوق ضرور علم خدا کی مظہر ہے کیونکہ کوئی معلوم ۔ بغیر علم وقدرت وحیات وجود میں نہیں آسکتا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اول مخلوق تمام صفات الیہ خدا کی مظہر ہے ۔ علم خدا کی صفت ہے تو اول مخلوق عالم ہے رزق عطا کرنا خدا کی صفت ہے تو رازق ہے حیات عطا کرنا خدا کی صفت ہے ۔اول مخلوق کی ٹھوکر میں حیات ہے ۔ بارش کرنا مشکلیں حل کرنا اولاد عطا کرنا امور تکوینیہ انجام دینا یہ سب خدائی امور ہیں لہذا اول مخلوق مظہر ہونے کی صورت میں یہ سارے امور انجام دیتی ہے اور دے سکتی ہے ۔ اب غور طلب یہ امر ہے کہ اول مخلوق کون ہے تو حدیث نور شاہد ہے جیسا کہ وارد ہوا ہے کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اول ماخلق اللہ نوری ۔ کہ خدا نے سب سے پہلے میرے نور کو خلق فرمایا ہے ۔یعنی خداوند عالم نے وجود محمدیہؐ کو اس وقت خلعت وجود عطا کیا کہ جب خدا کے سوا کچھ نہ تھا ۔ہو کا عالم تھا ۔ہو کی منزل تھی عدم کا سناٹا تھا لیکن جب قلم مشیت تصویر کشی کر رہا تھا تصویر اول مخلوق بن رہی تھی پس اول مخلوق کے لیئے ضروری ہے کہ وہ آثار و صفات و کمالات خدا کی مظہر ہو تا کہ اس کو دیکھ کر خدا کو پہچانا جائے اور جیسا کہ ذکر کیا جا چکا کہ اول مخلوق نور محمدی ہے اور اول ماخلق اللہ نوری میں "ی" نسبتی ہے یعنی کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرا "نور" اور اگر لفظ "نوری" کے اعداد کا جمل کبیر نکالا جائے تو ۲۶۶ ہوتا ہے اور

جمل صغیر ۱۴ اور جمل اصغرہ ہے معلوم ہوا کہ جب نور محمدیؐ عالم وجود میں تھا۔ تو باعتبار وجود مقام وحدت میں تھا۔ خدا کی ذات واحد مطلق ہے اور یہ وحدت مجازی رکھتا ہے پس اس نور کے دو ٹکڑے ہوئے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے انا و علی من نور واحد کہ میں اور علیؑ ایک نور سے خلق ہوئے ہیں پس نور محمدیؐ مقام وجود میں ایک تھا اور مقام ظہور میں اس کے چودہ جلوے تھے اور چونکہ نوری محمدیؐ اسوقت خلق ہوا ہے کہ جب آب و آتش خاک و باد پیدا نہیں ہوئے تھے اور انہی عناصر اربعہ سے بشری تخلیق متعلق ہے پس حضرات محمد وال محمد صلوات اللہ علیہم اجمعین کو اپنا جیسا بشر سمجھنا کیا معنی؟ حقیت یہ ہے کہ مقصرین نے اس نظریہ کو اس لیے اپنایا ہے کہ محمدؐ وال محمدؐ کے مظہر صفات الہیہ ہونے سے انکار کیا جاسکے۔ اور صرف طین کی نسبت کو اجاگر کیا جاے۔ اس مقام پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ جب محمدؐ وآل محمدؐ مقام وجود میں نور تھے تو کیا یہ وجود مبارک ایسا تھا کہ جس میں نہ علم تھا۔ نہ قدرت تھی نہ حیات۔ نہ ارادہ تھا بلکہ چوب لے حس کی مانند تھا۔ تو پھر اس کے یہی معنیٰ ہوئے کہ تخلیق کائنات کی ابتداء فعل عبث ہے (معاذاللہ) اور خدا کا کوئی فعل عبث نہیں ہوتا۔ وجو محمدیہ مع اجزاء نورانیہ وذریت طیبہ ضرور مظہر اوصاف خدائے تعالیٰ ہے اور صفات الہیہ میں سے جس صفت کا اظہار کرنا مقصود ہو ان کو اس پر قدرت حاصل ہے۔ ہمارے بعض علماء نے تفویض کا لفظ استعمال کیا ہے اور کافی بحث کی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اختیارات کا تفویض کرنا اول مخلوق کی منزل میں صادق نہیں آتا یہاں صرف لفظ "مظہر" حقیقی حیثیت رکھتا ہے کہ خداوند عالم چونکہ قادر مطلق ہے اس نے اپنی مخلوق میں اول مخلوق کو اپنی صفات کا مظہر بنایا ہے اور یہ بقوۃ خدا امور تکوینیہ ہوں یا امور شریعہ ہوں انجام دینے کا اختیار رکھتے ہیں۔ پس وجود محمدؐ وآل محمدؐ مظہر متصرف کائنات ہے۔ پس وجود محمدؐ وآل محمدؐ مظہر خدا ہیں یہ بھی واضح رہے کہ مظہریت تشبیہ کا نام نہیں نہ تفویض ہے اب ہم قارئین مضمون کی توجہ علم وقدرت اور حیات کی طرف مبذول کراتے ہیں جو کہ حسب ذیل ہے:۔

"علم"

از روے لغت علم کے معنی ہیں جاننا۔ آگاہ ہونا۔ عقل معنی علم ہے اور علم کی دو حقیقتیں ہیں علم ذاتی اور علم وہبی۔ (ہماری کتاب رسولؐ اور علم غیب ملاحظہ ہو) علم اگر عین ذات ہے تو یہ خدا کی صفت ہے اس لیے علم کے لیے کوئی حد مقرر نہیں ہے خدا کی ہر صفت لامحدود ہے کیونکہ خدا کا علم ہو یا کوئی اور صفت کسی کا عطیہ نہیں ہے اور علم وہبی سے وہ علم مراد ہے جسے علم لدنی کہتے ہیں۔ یعنی وہ علم جو حق تعالیٰ کسی کو اپنے فضل و کرم سے عطا فرمائے بغیر اس کے کہ وہ کسی استاد سے حاصل کرے۔ اس کی تعبیرات کافی ہیں مثلاً کسی کو روح قدسی عطا کرنا جیسے جناب آدمؑ ہیں کہ انکا علم وہبی ولدنی ہے۔ عالم ظاہر میں علم جو اس خمسہ ظاہری سے متعلق ہوتا ہے اسے علم اکتسابی کہتے ہیں۔ نبیؐ و امامؑ کا علم۔ علم وہبی ہے خدا کا علم۔ علم ذاتی ہے پس محمدؐ و آل محمدؐ علم خدا کے مظہر ہیں اور یہی مقصد ہے کہ محمدؐ و آل محمدؐ حاضر و ناظر متصور ہوتے ہیں۔ علم کو وجود محمدؐ و آل محمدؐ سے معیت تامہ حاصل ہے احادیث شاہد ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے انا مدینۃ العلم و علی بابہا کہ میں شہر علم ہوں اور علیؑ در شہر علم ہیں اور چونکہ اس حدیث میں لفظ علم مطلق وارد ہوا ہے اور کوئی حد بندی نہیں ہے پس آنحضرتؐ یقیناً مظہر علم خدا ہیں اور علیؑ بابہا کی نسبت یہ ظاہر کر رہی ہے کہ علیؑ اور نبیؐ کا علم ایک ہے پس نبیؐ و علیؑ مظہر علم خدا ہیں۔

قدرت

اس سے مراد ہے متصرف ہونا۔ اختیار کلی رکھنا۔ کسی شے پر اختیار رکھنا۔ یہ تو اسی صورت میں ہے کہ جب شے پہلے سے موجود ہو۔ تو خدا اس شان سے قادر ہے کہ شے ہو یا نہ ہو خدا کو ہر قسم کی قدرت حاصل ہے اور قرآن و احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ محمدؐ و آل محمدؐ کائنات کی ہر ایک شے پر قدرت رکھتے ہیں بس فرق اتنا ہے کہ ان کا اقتدار یہ عطائے خدا ہے اور خدا کا اختیار عین ذات ہے۔ خدا کے تصرفات کو قدرت اور نبیؐ و امامؑ کے تصرفات کو اصطلاحاً معجزہ

کہتے ہیں (ہماری کتاب معرفت امام مبین ملاحظہ ہو) پس محمدؐ وآل محمدؐ مظہر قدرت الہیہ ہیں۔

حیات

اس کے معنی ہیں زندگی اور صاحب حیات کو حی کہتے ہیں خداوند عالم حی مطلق ہے۔ وہ زندہ ہے زندگی کا خالق ہے۔ ہر ذی حیات کے لیے موت ہے خدا ایسا زندہ ہے کہ اس کا موت سے تعلق نہیں ہے وہ خالق موت بھی ہے۔ قرآن مجید میں وارد ہوا۔ کہ ن الذی خلق الموت والحیوۃ پ ۲۹ رکوع نمبرا کہ موت اور حیات دونوں کو خدا نے خلق کیا ہے اور وجود محمدیؐ اول مخلوق ہے اس کے یہی معنی ہیں کہ موت اور حیات دونوں نور محمدیؐ کے بعد خلق ہوئی ہیں پس ایسی حیات کہ جو موت وحیات کے بعد خلق ہونے سے پہلے وجود محمدیہؐ کو حاصل تھی اس پر صرف ہماری جیسی زندگی کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ سب فنا ہو جائیں گے اور محمدؐ وآل محمدؐ خداوند عالم کی حیات مطلقہ کے مظہر ہیں۔ (یہ بھی واضح رہے کہ ان پر چونکہ حیات حقیقی کا اطلاق ہوتا ہے پس ان سے مدد طلب کرنا جائز ہے) اگر محمدؐ وآل محمدؐ کو صفات الہیہ کا مقام ظہور نہیں تصور کیا جائے تو یہ نقص لازم آئے گا کہ خدا کی معرفت کس طرح حاصل کی جائے یہ چیز ایک لمحہ فکریہ کی طالب ہے جیسا کہ ذکر کیا جا چکا کہ صفات خدا عین ذات ہیں اور ذات خدا کی معرفت باعتبار کنہ ذات حاصل کرنا محال ہے اور نہ ہی ایسی تکلیف جن وانس کو دی گئی ہے لہذا خداوند عالم کے معرفت صفاتیہ کے ہم مکلف ہیں چنانچہ خداوند عالم پہ لطف وکرم واجب ہے کہ وہ کسی کو اپنی صفات کا مظہر مطلق بنائے چنانچہ ان ذوات مقدسہ کو مظہر قرار دیا ہے اس لیے کہ محمدؐ وآل محمدؐ سے زیادہ اقرب الی اللہ کوئی دوسری ذات نہیں ہے لہذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ تمام کائنات مخلوق ہونے کی وجہ سے اگرچہ صفت خالقیت کی مظہر مگر یہ ذوات مقدسہ تمام صفات الہیہ کے مظہر ہیں۔ حضرات معصومینؑ نے فرمایا ہے کہ بنا عرف اللہ یعنی لوگوں نے ہمارے ہی ذریعہ سے خدا کو پہچانا ہے

اللھم صلی علی محمدؐ وآل محمدؐ

فضائل امیرالمومنین (ع) کو چھپانا موجب عذاب خدا ہے

کتاب الآیات میں روایت ہے کہ ابن عباسؓ نے کہا کہ فرمایا حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ اللہ عذاب نہیں کرے گا مگر اس خلق کو ان کے علماء کے گناہوں کی وجہ سے جو علیؑ اور اس کی اولاد طاہرین سے فضائل نہیں بیان کرتے۔ یا ان کو چھپاتے ہیں یہ بھی حضورؐ پر نور نے فرمایا کہ جب علماء اپنا فرض پورا کر دیں تو پھر قصوروار وہ مومنین ہیں کہ جو فضائل امیرالمومنین کی اشاعت میں تقصیر کرتے ہیں (یعنی کہ کوتاہی کرتے ہیں) یا باوجود علم ہونے کے اس سے اعراض کرتے ہیں۔ پھر فرمایا۔ آگاہ ہو۔ تحقیق نہیں ہے کوئی روئے زمین پر بعد انبیاء مرسلینؑ بہتر و برتر شیعیان علیؑ اور محبان علیؑ سے کہ جو ظاہر کرتے ہیں اس کے امر کو اور بیان کرتے ہیں اس کے فضائل کو پس یہی لوگ وہ ہیں کہ جن پر خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے ملائکہ ان کے لیے استغفار کرتے ہیں اور ہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جو فضائل علیؑ کو چھپاتے ہیں پس وہ آتش دوزخ میں جلنے کے لیے کیسے تیار ہیں۔

تقصیر اور اخفاء ہم آہنگ ہیں پس مومنین کو چاہیے کہ فضائل ائمہ معصومین (ع) میں تقصیر کرنے سے اجتناب کریں تاکہ ہلاکت سے محفوظ رہیں اور عنداللہ ماجور و مثاب ہوں۔



کلمہ یا علیؑ مدد نشان شیعیت ہے

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ وہ قوم زندہ رہتی ہے کہ جو اپنے مذہبی تشخصات اور اپنی روایات کو برقرار رکھتی ہے۔ مذہبی تشخصات وروایات ہر ایک مذہب کے ائمہ کی نسبت سے ایک دوسرے سے جداگانہ ہوتے ہیں چنانچہ شیعہ امامیہ اثنا عشریہ کی بھی کچھ ایسی نشانیاں ہیں کہ جنکی وجہ سے وہ دوسرے اسلامی فرقوں میں مذہباً پہچانا جاتا ہے اگر ان تشخصات و روایات کو ترک کر دیا جائے یا بدل دیا جائے تو شیعیت کے پرزے ہو جائیں گے اور یہ چیز کسی نہ کسی وقت ملت جعفریہ کیلئے موجب خسارہ ثابت ہو سکتی ہے پس شیعہ قوم کو اپنے مذہبی تشخصات اور روایات کو عملاً زندہ رکھنا ضروری ہے تاکہ وہ دوسرے اسلامی فرقوں میں بحیثیت قوم شیعہ متعارف رہے تشخصات مذہب شیعہ میں سے کلمہ یا علیؑ مدد اور عزاداری امام حسین علیہ السلام اہم ترین حیثیت رکھتی ہے ہم کلمہ یا علیؑ مدد کے متعلق قدرے تحریر کرتے ہیں۔

جنہوں نے مذہب شیعہ کا بغور مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ ائمہ اثنا عشر (ص) کے بارے میں انحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے اولنا محمد (ص) واوسطنا محمد (ص) و آخرنا محمد (ص) وکلنا محمد کہ ہمارا پہلا محمدؐ ہے ہمارا درمیان والا محمدؐ ہے ہمارا آخری بھی محمدؐ ہے اور ہم سب کے سب محمد ہیں پس ارشاد نبوی (ص) کی رو سے ائمہ اثنا عشر (ص) کے تمام اقوال وافعال اور صفات حمیدہ ہیں جو انحضرت (ص) کی ذات مقدس سے مربوط ہیں یہ ایک ایسا امتیازی تشخص ہے کہ جو کسی دوسرے اسلامی فرقوں کے ائمہ میں سے کسی کو حاصل نہیں ہے۔ ائمہ اثنا عشر (ص) اگرچہ سب کے سب باعتبار حقیقت و باعتبار صفات اپنے وقت کے محمد (ص) ہیں لیکن ہر ایک امامؑ کا تشخص ذاتی اسما اور متعارف جداگانہ ہے مثلاً حضرت امیر المومنین علی ابن ابطالب (ع) جو اس سلسلہ کے پہلے امام ہیں آپ سے لے کے حضرت امام حسن عسکری (ع) تک سب کے سب ائمہ شہید راہ خدا ہیں اور ان ائمہؑ کا سبب

موت زہر یا تلوار ہے اور بھی راہ خدا میں مارے جانے والے شہید ہیں۔ لیکن ان تمام شہید ان راہ خدا میں حضرت امام حسینؑ ہی سید الشہداء ہیں جب لفظ سید الشہداء کسی کی زبان پر آتا ہے تو سننے والے کا خیال حضرت امام حسین (ع) کی طرف جاتا ہے کسی اور کی طرف تصور منتقل نہیں ہوتا۔

نادعلیؑ یہ ہے کہ "نادعلیاً مظہر العجائب تجدہ عوناً لک فی النوائب کل ہم و غم سینجلی بولایتک یا علیؑ۔ لفظ ناد جو شروع میں ہے صیغہ امر کا ہے اسمیں حکم پایا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ندادے تو علیؑ کو کہ وہ مظہر العجائب ہے (آپ کا مظہر العجائب ہونا یہ سبب ولایت ہے) پاوےگا تو اس سے ارزومدد کی اپنے واسطے نوائب ہیں۔ نوائب کے معنی ہیں خرابیاں۔ تشویش اور ہر قسم کا غم وہم۔ یہ جمع کا لفظ ہے بعض محدثین نے یہ بھی کہا ہے کہ آنحضرتؐ نے تین مرتبہ نادعلیؑ پڑھی۔ اور فوراً حضرت علیؑ مدینہ سے خیبر میں حاضر خدمت رسولخداؐ ہو گئے۔ اور آپ مرحب کے مقابلہ کیلئے نکلے اور اسے قتل کیا۔ اور خیبر فتح ہو گا۔ اس چیز سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ یا علیؑ مدد کہنا نادعلیؑ سے مربوط ہے۔ اور یہ ایک ایسا تشخص شیعیان علی مرتضیٰ (ع) ہے کہ جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا نادعلیؑ کے متعلق اہلسنت نے بھی غزوہ احد کے موقعہ سے متعلق تحریر کیا ہے کہ آنحضرتؐ پر نادعلی کا نزول جیسا کہ تاریخ احمدی صفحہ ۴۲ میں از مدارج النبوۃ نقل کیا گیا ہے حضرت امیر المومنین علی ابن ابطالب کو عوناً و ناصراً و عضداً بنانے کی دعا کا ذکر احتجاج دلبری میں مذکور ہے یعنی کہ حضرت علی (ع) نے اہل شوریٰ سے فرمایا کہ میں تم لوگوں کو خدا کی قسم دے کر دریافت کرتا ہوں کہ آنحضرتؐ نے میرے سوا کسی کے لیے خداوند عالم سے یہ دعا مانگی تھی کہ یااللہ تو میرے لیے علی ابن ابطالبؑ عون ناصر اور قوت بازو بنادے۔ اہل شوریٰ نے کہا نہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ حضرات دنیاوی مصائب والام اور بلائے ارضی میں ہمارے ملجاو ماویٰ ہیں اور یہ ہمارے مشکل کشا حاجات ہیں چنانچہ جنگ تبوک میں بھی حضرت رسولخدا (ص) نے حضرت امیر المومنین (ع) کو دشمنوں کے مقابلہ میں مدد کے لیے پکارا ہے اور آپ نے مدد فرمائی ہے۔

جنگ تبوک کا واقعہ ہے کہ جب انحضرتؐ جنگ تبوک میں تشریف لے گئے ہیں تو حضرت علی (ع) کو آپ اپنے ہمراہ نہیں لے گئے تھے مدینہ میں چھوڑ گئے تھے اور یہ فرمایا تھا کہ اے علیؑ کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تم کو مجھ سے وہی منزلت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا چنانچہ جب جنگ تبوک میں انحضرت کا لشکر خستہ ہو گیا اور آپ سے جدا ہو گیا تو جبرئیل امین نازل ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہؐ خداوند عالم نے آپ کو تحفہ درود و سلام کے بعد نصرت و فتح کی بشارت دی ہے اور فرمایا ہے کہ اے رسولؐ تم علی کو پکارو۔ وہ فوراً مدد کو پہونچیں گے جبرئیل نے انحضرتؐ سے عرض کیا کہ آپ اپنا رخ مدینہ کی طرف کیجئے اور ندیا ابا الغیث ادرکنی یا علیؑ ادرکنی۔ یعنی یہ کہہ کر پکارئے اے ابو الغیث میری مدد کو پہونچو یا علیؑ میری مدد کو پہونچو یا علی میری مدد کو پہونچو پس انحضرت نے پکارا۔ اور حضرت علیؑ فوراً تبوک میں پہونچ گئے۔ (ملاحظہ ہو حقائق الوسائط موفہ مولانا محمد بشیر صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نزول ناد علیؑ متواتر ہے۔ مقام حیرت ہے کہ بعض مولوی صاحبان پھر بھی ناد علیؑ کے خلاف لب کشائی کرتے ہیں صفحہ ۱۰۵ احتجاج طبرسی میں مروی ہے کہ محمد وآل محمد (ص) سے جانور بھی استغاثہ کرتے ہیں (ترجمہ صرف) کہ حضرت امیر المومنین فرماتے ہیں کہ بعض غزوات میں ہم انحضرت (ص) کے ہمراہ تھے کہ یکایک ایک اونٹ آنحضرت (ص) کے پاس آیا اور فریاد کرنے لگا اور خدا نے اس کو گویائی عطا کی۔ اس اونٹ نے عرض کیا یا رسول اللہ (ص) میرے مالک نے مجھ سے خوب کام لیا۔ اور اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں تو مجھے نحر (ذبح) کرنا چاہتا ہے۔ میں آپ کی خدمت میں آیا ہوں اور آپ کی ذات کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں۔ آپ مجھے اس سے بچایئے انحضرت (ص) نے اس کے مالک کو بلوایا۔ اور اس سے یہ اونٹ لے لیا۔ اور اس کو پناہ دیدی جانور کا نطق خرق عادت ہے اس نے جو کچھ کہا ہے گویا وہ خدا ہی نے اس سے کہلوایا ہے احتجاج طبرسی صفحہ ۱۱۳ میں ایک یہ بھی روایت ہے کہ حضرت امیر المومنین (ع) نے فرمایا ہے کہ مردوں نے اپنی موت کے بعد انحضرت (ص) سے استغاثہ اور فریاد کی کہ انہیں خدا عذاب سے پناہ دے۔

حضرت سید الشہداء امام حسین (ع) کے روضۂ اقدس میں یہ دعا پڑھی جاتی ہے جس کو تمام علماء اور مجتہدین پڑھتے ہیں جس کے فقرات یہ ہیں "یا مولائی اتیتک خائفاً فآمنی واتیتک مستجیراً فاجرنی واتیتک فقیراً فاغنی یا سیدی یا مولای حجۃ اللہ علی الخلق اجمعین امنت بسرکم وعلانیتکم وبظاہرکم وباطنکم واولکم وآخرکم (مفاتیح الجنان) یعنی اے میرے مولا میں آپ کے دربار میں حاضر ہوں۔ خوف زدہ ہوا کہ مجھے آپ امان دیجئے۔ میں آپ سے پناہ لینے آیا ہو مجھے پناہ دیجوے میں محتاج و فقر کرنا خریہ ہوں مجھے دولت عطا کیجئے۔ اے میرے سردار آپ میرے مولا و آقا ہیں۔ اور تمام مخلوقات پر حجت ہیں آپ کے پوشیدہ کمالات پر بھی ایمان لایا ہوں۔ اور علانیہ کمالات پر بھی اور آپ کے ظاہر و باطن اور اول آخر بھی میرا ایمان ہے پس ائمہ سے استغاثہ کرنے پر ایمان کا ہونا ضروری ہے۔ اس دعا کا رجحان بھی کلمہ یا علیؑ مدد کی طرف ہے۔

دعاء فرج حضرت حجۃ اللہ (ع) عجل اللہ فرجہ کے متعلق یہ وارد ہوا ہے کہ آپ نے یہ دیا ایک قیدی کو تعلیم فرمای تھی کیونکہ اس نے امام العصر (ع) سے استغاثہ کیا تھا۔ اس دعا کو اس نے پڑھا اور استمداد طلب کی اور اس نے قید سے رہائی پائی وہ دعا مبارکہ یہ ہے:۔

الٰہی عظم البلاء و برح الخفاء وانکشف الغطاء وانقطع الرجاء وضاقت الارض ومنعت السماء وانت المستعان والیک المشتکی وعلیک المعول فی الشدۃ والرخاء اللھم صل علی محمد وال محمد اولی الامر الذین فرضت علینا طاعتھم وعرفتنا منزلتھم ففرج عنا بحقھم فرجا عاجلا قریبا کلمح البصر او ھو اقرب یا محمد یا علی یا علی یا محمد اکفیانی فانکما کافیان وانصرانی فانکما ناصرانی یا مولانا یا صاحب الزمان الغوث الغوث ادرکنی ادرکنی ادرکنی الساعۃ الساعۃ العجل العجل یا ارحم

الراحمین بحق محمد وآلہ الطاہرین (از مفاتیح الجنان مطبوعہ نجف اشرف

دعاے مذکورہ کہ جو روضہ حضرت سید الشہداء (ع) میں پڑھی جاتی ہے اور دعاے فرج اور ناد علیؑ یہ سب کی سب دعائیں ظاہر کرتی ہیں کہ تخصصات مذھب شیعہ میں یہ چیز داخل ہے کہ وقت مصائب وآلام ائمہ معصومین (ع) کی طرف رجوع کیا جاے پس مومنین حضرات کو چاہئے کہ ائمہ معصومینؑ کی طرف رجوع کریں اور ناد علیؑ کو جو عمل انحضرت (ع) بھی ہے زیادہ سے رواج دیں دعاے فرج سے بھی یہی مستنبط ہوتا ہے کہ اے علیؑ میری مدد فرمایئے بس یا علیمدد کہتے ہیں مومنین بحکم امام العصر (ع) اور الجناب بہ سبب ولایت کلیہ مدد فرماتے ہیں:۔

جب سے تمہیں مدد کو پکارا ہے یا علیؑ — ہر موج کی جلو میں کنارا ہے یا علیؑ
بحر حیات حسرت طوفان نکال لے — بیڑا بھنور میں کہہ کے اتارا ہے یا علیؑ



تتمہ

۱۔ عیسیٰ بن مریم (ع) ..... کیا حضرت عیسیٰ بن مریم (ع) عین بشر ہیں یا مثل بشر۔؟

۲۔ قرآن ..... (۱) کیا قرآن ایسی کتاب ہے جیسی کہ دوسری کتب سماویہ۔؟

(۲) کیا قرآن کو کتاب سماویہ ہونیکی بنا پر توریت۔ زبور وانجیل جیسا کہہ سکتے ہیں۔؟

۳۔ کعبۃ اللہ ..... (۱) کیا کعبۃ اللہ اور بیت المقدس مساوی الدرجہ ہیں۔؟

حجر اسود ..... (۲) کیا حجر اسود تمام پتھروں جیسا ہے۔؟

۴۔ مشاہد مقدسہ ..... کیا مشاہد مقدسہ باعتبار شرف عام قبور مومنین سے افضل نہیں ہیں۔؟

۵۔ مساجد ..... کیا مساجد ایسی ہی عبادت کی جگہ ہیں۔ جیسے عام گھر۔

۶۔ شعائر اللہ ..... کیا شعائر اللہ اور غیر شعائر اللہ دونوں ایک ہی حکم میں ہیں۔؟

۷۔ الشھر الحرام ..... کیا حرمت والا مہینہ اور غیر حرمت والا مہینہ برابر ہے۔؟

۸۔ یوم جمعہ ..... کیا یوم جمعہ اور دوسرے ایام برابر ہیں۔؟

۹۔ شہداء راہ خدا ..... کیا قتیل راہ خدا اور عام مرنے والے برابر ہیں۔؟

۱۰۔ لیذھب عنکم الرجس ..... کیا صاحبان تطہیر وغیر تطہیر ایک جیسے ہیں۔؟

اَهۡلَ الۡبَيۡتِ وَيُطَهِّرَكُمۡ تَطۡهِيۡرًا ۝ (القرآن)

۱۱۔ اول ماخلق اللہ نوری (حدیث) ..... اگر نور محمد (ص) سے تخلیق کائنات کا آغاز نہیں ہوا ہے تو پھر کونسی چیز (مخلوق) سے خلقت کی ابتداء عمل میں آئی ہے۔

انما اللہ الٰہ واحد
(القرآن)

کتاب دوم

توحید
و
معرفت توحید

تالیف

خطیب آلِ محمدؐ سید ظل حسنین زیدی سرسوی



- ارشاد صادق آل محمدؐ
- روشنی
- انتساب

ارشاد صادق آل محمد (ص)

التوحید الحق ھو اللہ
والحاصل لہ رسول اللہ
والحافظ لہ نحن
والتابع فیہ شیعتنا



توحید و معرفت توحید

جمل کبیر ۴۲۸، ۶، ۷۹۰، ۴۲۸ - ۱۶۵۲

جمل صغیر = ۱۴

جمل اصغر = ۵

خدا کے نور سے پیدا ہوئے ہیں پانچوں تن

محمدؐ ذات و علیؑ فاطمہؑ حسینؑ و حسنؑ

انتساب

حضرت امام حسینؑ شہید کربلا کے نام کہ جنہوں
نے انکار بیعت یزید کرکے حفاظت توحید کی جو
اصل اصول دین اسلام ہے۔

سید ظل حسنین زیدی سرسوی

مطالب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وجود خدائے تعالیٰ

وجود کی دو قسمیں ہیں جو کہ یہ ہیں۔

(۱) واجب الوجود (۲) ممکن الوجود

واجب الوجود اسے کہتے ہیں کہ جسکی ذات مقتضی اس کے وجود کی ہو جیسے ذات خداوند عالم کہ وہ اپنے وجود میں دوسرے کا محتاج نہیں ہے وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔
ممکن الوجود اسے کہتے ہیں کہ جو اپنے وجود میں دوسرے کا محتاج ہو۔ ممکن الوجود کیلئے ہمیشگی نہیں ہے انجام کار فنا ہے پس ہر ممکن الوجود اپنے موجود ہونے میں واجب الوجود کا محتاج ہے اور اسی کو اللہ کہتے ہیں لہذا ہر ممکن الوجود وجود خدائے تعالیٰ کی دلیل ہے۔
من عرف نفسہ فقد عرف ربہ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے رب کو پہچان لیا۔ پس معرفت نفس اور معرفت رب لازم و ملزوم ہے اس کے حصول کے لیے ضرور ہے کہ انسان حسب ذیل ان تین باتوں پر غور کرے۔

(۱) یہ کہ انسان خود بخود پیدا ہوا ہے یا اس کا کوئی پیدا کرنے والا ہے؟

(۲) یہ کہ انسان کے پیدا ہونے کی غرض و غایت کیا ہے؟

(۳) یہ کہ انسان کو دنیا میں رہتے ہوئے کیا کرنا چاہیے؟

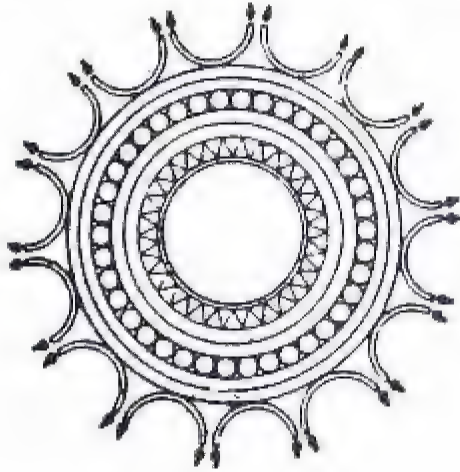
ہر چند کہ تیسری بات موخر ہے لیکن چونکہ اسی سے دونوں پہلی باتوں کی تحقیق مربوط ہے لہذا ہم اس چیز کو مقدم قرار دیتے ہوئے صرف اس قدر تحریر کرتے ہیں کہ اس بات میں غور کرنا چاہیے کہ دنیا میں انسان کو کسی مذہب کی پابندی کرنا بہتر ہے یا لامذہب رہنا مذہب

کے معنی ہیں راستہ۔ لامذہب راستہ کا نہ ہونا۔ حالانکہ جو لوگ لامذہبیت پسند کرتے ہیں وہ پھر بھی کسی معاشرہ سے منسلک ہو کر اس کے خود ساختہ قوانین کے پابند ہوتے ہیں۔ اگر ایسا نہ کریں تو معاشرہ ان کو قبول نہیں کرتا۔ لہذا جب قوانین خود ساختہ (یعنی کسی سوسائٹی کے قوانین) کا پابند ہونا ضروری ہے تو دین اسلام کا پابند ہونا بدرجہا بہتر ہے کہ یہ آسمانی مذہب ہے اور خداوند تعالیٰ کے رسول برحق حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین ہے اور قرآن مجید دین اسلام کی کتاب برحق ہے جب اور ائمہ معصومینؑ اس دین کے محافظ ہیں جبکہ دین و مذہب کی پابند لازمی ہے اور یہ انسان یہ بھی جانتا ہے کہ میں خود بخود پیدا نہیں ہوا ہوں کیونکہ جو شے معدوم ہو اس میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ کسی دوسری چیز کو وجود عطا کر سکے۔ پس ہے ضرور کوئی نہ کوئی اس کا خالق۔ کہ جس نے اس کو خلعت وجود عطا کیا ہے اور خالق ہی کے قبضہ اختیار میں حیات و موت ہے پس یہ غور و خوض خود وجود باری تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور یہ وجود خدا کی ایک واضح دلیل ہے۔ اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وجود خداوند تعالیٰ محقق ہے اور خدا ہی واجب الوجود ہے اور وہ اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہیں ہے۔

حضرت امام جعفر صادق (ع) سے کسی نے سوال کیا ان اللہ تعالیٰ ماھو۔ کہ اللہ تعالیٰ کیا ہے آپ نے ارشاد فرمایا ھو شی ء بخلاف الاشیاء کہ خدا بھی ایک شے ہے مگر اشیا سے عالم کے برخلاف یہاں پر شے سے مراد وجود ہے کیونکہ کسی نہ کسی صورت میں شے کیلئے وجود یقینی ہے اگر وہ شے پہلے نہ تھی۔ وجود پذیر ہوئی اور پھر اس کے لیے خستگی و فنا لازمی ہے پس یہ تمام کیفیتیں ظاہر کرتی ہیں کہ خداوند عالم کیفیات سے چونکہ پاک و منزہ ہے پس خداوند عالم کو جب شے کہا جائے گا تو وہ ذات تمام اشیاء عالم کے برخلاف شے متصور ہو گی۔ اسی لیے قرآن کی یہ تعلیم ہے لیس کمثلہ شی ء۔ کوئی شے اس کی مثل نہیں ہے۔ کیونکہ ھوالباقی اس کی صفت ہے پس وجود خدا سے انکار نہیں ہو سکتا۔ خداوند عالم ہے اور یکتا و اکیلا ہے

روایت ہے کہ کسی شخص نے حضرت امیرالمومنین علی ابن ابطالبؑ سے سوال کیا یا امیر

المومنین متی کان ربک یعنی کہ آپ کا رب کب پیدا ہوا ہے وہ کب سے ہے۔آپ نے فرمایا تیری ماں تیرے غم میں روئے وہ کب نہ تھا کہ جو کہا جائے کہ وہ کب سے ہے آپ فرماتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہر پہلے سے پہلے تھا جس سے پہلے کچھ نہیں اور ہر بعد کے بعد رہے گا جس کے بعد کچھ نہیں۔وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔قرآن مجید میں بھی خداوند عالم نے اپنے وجود کا ۱۳۶ آیات میں ذکر فرمایا ہے اور تمام انبیاء و مرسلینؑ سب ہی ربک خدا کی طرف سے آئے ہیں پس وجود خدا ثابت و محقق ہے



توحید خدائے تعالیٰ

ازروئے لغت توحید کے معنی ہیں "ایک جاننا" اور ایک "ماننا" پس دینی اصطلاح میں توحید خدا کے یہ معنی ہوئے کہ خداوند عالم ایک اور اکیلا ہے۔ زبان عربی میں اک کے لیے لفظ واحد بھی بولا جاتا ہے لیکن چونکہ لفظ واحد شمار میں آتا ہے اور ذات خدا شمار میں نہیں آ سکتی کیونکہ کوئی اس کا شریک نہیں ہے پس خدا اس معنی میں واحد ہے کہ وہ یکتا ہے یعنی کہ احد ہے

جب ہم کائنات عالم کا جائزہ لیتے ہیں تو ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا کی ہر ایک شے اپنے دامن میں وحدت کو لیے ہوئے ہے۔ تمام کثرتیں اپنی نوع کے اعتبار سے وحدات پر منتج ہوتی ہی مثلاً جمادات پر جب غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جمادات مقام کثرت میں ہے اور ذرہ مقام وحدت میں ہے۔ نباتات مقام کثرت میں ہے اور تخم (بیج دانہ) مقام وحدت میں ہے۔ حیوانات مقام کثرت میں ہیں اور وہ قطرہ آب کہ جس سے جسم بنتا ہے مقام وحدت میں ہے انسان مقام کثرت میں ہیں اور ابوالبشر جناب آدم مقام وحدت میں ہیں۔ تمام انبیاء و مرسلین از جناب ادم تا عیسیٰ ابن مریمؑ مقام کثرت میں ہیں اور وجود محمدیہ (ص) بمصداق کنت نبیاو آدم بین الماء والطین۔ مقام وحدت میں ہے۔ تمام اولیاء خدا مقام کثرت میں ہیں اور حضرت امیرالمومنین علی ابن ابیطالب (ع) مقام وحدت میں ہیں یعنی کہ ولی کل ہیں تمام افلاک مقام کثرت میں ہیں اور عرش مقام وحدت میں ہے۔ تمام سیارے ستارے مقام کثرت میں ہیں اور ستارہ قطب مقام وحدت میں ہے۔ تمام کواکب مقام کثرت میں ہیں اور آفتاب مقام وحدت میں ہے۔ تمام قوا۔ متصرفہ مقام کثرت میں ہیں اور روح مقام وحدت میں ہے اور تمام ارواح انس مقام کثرت میں ہیں اور اول مخلوق یعنی کہ نور محمدی مقام وحدت میں ہے تمام علوم مقام کثرت میں ہیں اور نقطہ بائے بسم اللہ مقام وحدت میں ہے حروف تہجی مقام

کثرت میں ہیں اور الف مقام وحدت میں ہے۔ لیکن حروف تہجی ہمیں درس دیتے ہیں کہ جسطرح الف مقام الوہیت میں ہے اسطرح ب مقام نبوت میں ہے۔ب کے نیچے ایک نقطہ ہے وجہ امتیاز ب ہے پس نقطہ ب بمنزلہ امامت ہے جو وجہ آگہی نبوت ہے بہر حال تمام کثرتیں۔وحدات مجازی پر ختم ہوتی ہیں لیکن جب باعتبار نوع۔وحدات کثیرہ پائی جاتی ہیں تو پھر یہ وحدات مجازیہ کسی ایسی ذات پر منتہی ہونی چاہئیں کہ جہاں کثرت باطل ہو جائے اور وحدت یکتا نظر آئے۔مجاز سے حقیقت کی طرف جانا اور معرفت توحید حاصل کرنا اسی میں درس توحید مضمر ہے۔ حضرات محمدؐ وآل محمدؐ چونکہ وحدت سے کثرت کی طرف آئے ہیں اس لیے ارشاد فرمایا ہے اعرفو اللہ باللہ یعنی کہ اللہ کو اللہ کے ذریعہ پہچانو۔اللہ کی معرفت وہ شخص حاصل کر سکتا ہے جو اس کو اسی کے ذریعہ پہچانتا ہے حضرت علی ابن الحسین (ع) اپنی مناجات میں فرماتے ہیں بک عرفتک وانت دللتنی علیک ودعوتنی الیک ولولا انت لم ادر ما انت یعنی کہ تیرے ہی ذریعہ تجھے پہچانا اور تو نے ہی اپنی طرف میری راہ نمائی کی۔اپنی طرف بلایا۔اگر تو ایسا نہ ہوتا تو میں نہ پہچانتا کہ تو کیا ہے۔

جب سے دنیا کی آبادی کی ابتداء ہوئی ہے توحید کی تعلیم انبیاء علیہم السلام کا شعار رہا ہے یہ سلسلہ تعلیم جناب آدم علیہ السلام سے شروع ہوا۔چنانچہ جناب آدم اسلامی توحید کے معلم اول ہیں لیکن آپ ہی کے زمانہ میں کہ جب آدمؑ کے دونوں بیٹوں نے نیازیں چڑھائیں تو ایک کی نذر قبول ہو گئی اور دوسرے کی رد یعنی کہ ہابیل کی نذر قبول ہوئی تو ہابیل سے قابیل نے کہا میں تجھے قتل کر ڈالوں گا۔ہابیل نے جواب دیا کہ اللہ تو متقی لوگوں کی نذر قبول کرتا ہے اگر تو نے میرے قتل کے لیے ہاتھ بڑھایا تو میں تیرے قتل کے لیے ہاتھ نہیں اٹھاتا انی اخاف اللہ رب العالمین ○ میں اس اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام عالموں کا پروردگار ہے (ملاحظہ ہو سورۃ مائدہ رکوع ۸) جناب شیثؑ نے بعد کھلم کھلا بت پرستی ہونے لگی۔اور جناب شیثؑ کا بت بنا کر پوجا جانے لگا۔بعدہ جسقدر انبیاء (ع) آئے نوحؑ اور جناب نوحؑ کے بعد حضرت عیسیٰؑ بن مریم تک تمام انبیاء کے زمانے میں توحید خدا کے

بالمقابل کفر و شرک جاری و ساری رہا۔ مجوسیوں کی توحید میں دوی عیسائیوں کی توحید میں تثلیث اور بت پرستوں کی بت پرستی ایک احمقانہ عقیدہ بنکر رہ گئی۔ تمام انبیاء کے آخر میں حضرت محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے تو آپ نے توحید کے متعلق درس دینا شروع کیا اپنے خطبات میں واضح طور پر توحید خدا کو بیان فرمایا اور پھر اس درس توحید کو آنحضرت (ص) کے اوصیاء کرام از حضرت علیؑ تا حضرت امام حسن عسکری نے انجام دیا اور اس زمانہ غیبت میں حضرت امام العصر (ع) محافظ توحید ہیں جو اپنے آباء و اجداد کے وصیٔ برحق ہیں اور امام امت ہیں آخری تاجدار امامت ہیں اسلامی توحید از جناب آدمؑ تا آنحضرت (ص) ایک ہے اور تمام ادیان عالم میں مشترک ہے کیونکہ تمام انبیاء و مرسلین اور ائمہ معصومین (ع) اللہ ہی کی طرف سے آئے ہیں پس ان کی تعلیمات میں توحید مضمر ہے ہم سورۃ الاخلاص سے توحید خداوند عالم کو سپرد قرطاس کرتے ہیں:۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ

یعنی کہ (اے رسولؐ) تم کہدو کہ خدا ایک (اکیلا) ہے خدائے برحق بے نیاز ہے نہ اس نے کسی کو جنا نہ اس کو کوئی جنا اور اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

"قل":۔ تفسیر صافی صفحہ ۵۳۹ بحوالہ تفسیر قمی منقول ہے کہ اس سورت کی شان نزول یہ ہے کہ یہودیوں نے آنحضرت (ص) کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ اپنے پروردگار کا نسب نامہ بیان کریں۔ ان لوگوں نے خدا کا نسب نامہ اس لیے دریافت کیا کہ یہودی جناب عزیر کو ابن اللہ کہتے ہیں جس طرح کہ عیسیٰ کو نصاریٰ ابن اللہ کہتے ہیں۔ اس سوال کے تحت خداوند

عالم نے سورۃ اخلاص نازل فرمائی۔ سورۃ توحید کو سورۃ اخلاص اس لیے کہتے ہیں کہ اخلاص کے معنی ہیں۔ "خالص کرنا" اور خالص اسے کہتے ہیں کہ جو کسی شے سے ملا ہوا نہ ہو بس یہ سورۃ مبارکہ خداوند عالم کو وحدہ لاشریک ظاہر کرتی ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں لم یلد پر علامت کا یہ نشان ہے یعنی کہ ۵ بنا ہوا ہے جو کہ غیر کوفی آیت کا نشان ہے اس جگہ قاری کو ٹھہرنا چاہئے مگر اس نشان پر "لا" بنا ہوا ہے جو کہ وقف نہ کرنے کی علامت ہے۔ اس اعتبار سے اس سورت کی چار آیات ہیں۔ ورنہ پانچ ایات ہیں..... اس سے مستنبط ہوتا ہے حقیق توحید خداوند تعالیٰ پنجتن پاک ہی کی تعلیمات میں منضمر ہے لفظ توحید کے اعداد کا مجموعہ (ت ۴۰۰ + و ۶ + ح ۸) اور اس کا جمل صغیر ۱۴ اور جمل اصغرہ ۵ ہے پس عرفان توحید پنجتن پاک کی تعلیم سے حاصل ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے آل محمد (ص) کے دامن سے تمسک کیا ان کے عقیدے میں اخلاص فی التوحید برقرار ہے۔ اس لیے لفظ قل سے یہ سورۃ مبارکہ شروع ہوتی ہے کہ اے رسولؐ تم کہدو۔ یعنی کہ جو کچھ سورۃ اخلاص میں ہے وہی توحید ہے اس کو بیان کر دو۔

"ھو":۔ اس میں جو حرف ہا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ذات احدیت قائم وثبت ہے اور لفظ واؤ سے اشارہ اسطرف ہے کہ وہ حواس سے محسوس وادراک نہیں ہو سکتا اس کے برخلاف لفظ ھذا ہے جو محسوس اور مشاہدہ میں آسکے۔ کفار مکہ اپنے بتوں کو ہذا سے اشارہ کرتے ہیں جو محسوس اور مشاہدہ کے لیے وضع کیا گیا ہے ذات احدیت چونکہ نظر آنے والی نہیں ہے پس اس کے لیے ھُو سے اشارہ کیا جاتا ہے۔ اور حرف ہا، وجود کو ثابت کرتا ہے کہ وہ واجب الوجود ہے یعنی کہ وہ اپنے وجود میں محتاج غیر نہیں ہے۔

"اللہ":۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے امیرالمومنین علی ابن ابطالب (ع) سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ کے یہ معنی ہیں کہ وہ ایسی ذات ہے کہ یالہ فیہ الخلق ویولہ الیہ یعنی کہ جسکے معاملہ میں مخلوق حیران ہے۔ اور احتیاج اس کی طرف لیجاتی ہے اللہ کے یہ معنی بھی بیان کے گئے ہیں کہ وہ آنکھوں کی بینائی سے مخفی ہے۔ خواہ دنیا ہو کہ آخرت

روئیت خدا ممکن نہیں ہے۔ خداوند عالم تک ہمارے وہم و خیال کی رسائی ہرگز نہیں ہے پس اللہ تعالیٰ ایک ایسا وجود ہے کہ جو بسیط محض ہے اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اس کی صفات عین ذات ہیں نہ کہ زائد بر ذات۔ کیونکہ بر ذات ہونیکے یہ معنی ہیں کہ ذات۔ صفت کی غیر ہے اور صفت ذات کے علاوہ ہے اس صورت میں دوئی لازم آتی ہے پس خداوند عالم چونکہ واحد مطلق ہے لہذا صفات ثبوتیہ کمالیہ عین ذات خدا ہیں۔

"احد":۔ یہ ایک بدیہی چیز ہے کہ لفظ "واحد" شمار میں آتا ہے یعنی ایک کو واحد کہتے ہیں اور دو کو ثانی اور تین کو ثالث کہتے ہیں ہر عدد میں ایک شمار میں آتا رہتا ہے لیکن احد اسے کہتے ہیں کہ جو شمار میں نہیں آتا۔ خداوند عالم بہت سے خداؤں میں سے ایک نہیں ہے بلکہ وہ ایک بایں معنی ہے کہ وہ اکیلا ہے اس کے لیے کوئی عددی صورت نہیں ہے وہ احد بالذات ہے۔ عیسائی لوگ کہتے ہیں کہ خدا تین میں کا تیسرا ہے (۱) خدا (۲) روح القدس (۳) عیسیٰ بن مریم خداوند عالم تین میں کا تیسرا نہیں ہے اور نہ اس کیلئے دوئی ہے۔ معصومین (ع) نے تثلیث اور دوئی دونوں کو باطل قرار دیا ہے۔ تثلیث جو نصاریٰ کا نظریہ ہے خداوند عالم نے باطل قرار دیا ہے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے ولا تقولوا ثلثۃ یعنی تین (خدا) کے قائل نہ ہو اور دوئی اس لئے باطل ہے کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ دو خدا ہیں۔ اس صورت میں اگر خدا چاہتا ہے کہ زید زندہ رہے اور دوسرا خدا چاہتا ہے کہ زید مر جائے۔ تو پھر اس صورت میں اگر ایک کا چاہنا پورا ہوا اور دوسرے کا چاہنا پورا نہ ہو سکا تو پھر جو توانا اور قادر ہے وہی خدا ہے مغلوب و کمزور خدا نہیں ہو سکتا۔ قرآن میں خود ارشاد فرمایا ہے ان القوۃ للہ جمیعاً ہر طرح کی تمام قوتیں اللہ ہی کی ذات کیلئے ہیں پس خدا قادر و توانا ہے اور وہ احد یعنی کہ اکیلا ہے۔

"صمد":۔ صمد اسے کہتے ہیں کہ جس میں جوف نہ ہو۔ جوف کے معنی ہیں خول ہر چیز کا اس اعتبار سے صمد کے یہ معنی ہوے کہ وہ بسیط محض ہے۔ اس کے لیے اجزاء ترکیبی نہیں ہیں یعنی کہ خدا کی ذات مرکب نہیں ہے۔ صمد اسے بھی کہتے ہیں کہ جسکی سرداری انتہا کو پہونچی ہو۔ (ماخوذ از ارشادات معصوم (ع)) جناب محمد بن حنفیہ سے مروی ہے کہ صمد اسے کہتے

ہیں کہ جو اپنے موجود ہونے میں محتاج غیر نہ ہو۔ اس سے کوئی شے مخفی نہ ہو۔ وہ حاضر و ناظر ہو پس صمدیت ایک ایسی صفت ہے کہ جسمیں احدیت پائی جاتی ہے یعنی کہ کوئی شریک صفت صمدیت نہیں ہے۔

"لم یلد ولم یولد":۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ نہ وہ کسی چیز سے پیدا ہوا ہے اور نہ اس نے کسی کو جنم دیا ہے وہ کسی چیز سے متحد نہیں ہے بلکہ بسیط محض ہے۔ وہ پاک و پاکیزہ ہے اس چیز سے کہ اس کے کوئی بیٹا ہو۔ یا بیٹی یا اس کے زوجہ ہو۔۔

"ولم یکن لہ کفوا احد":۔ یعنی کہ اور اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔ پس "التوحید الحق ھو اللہ"



صفات ثبوتیہ

صفات ثبوتیہ

ہم برائے آگہی تحریر کرتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ کی ذات ہر حیثیت سے کامل ہے اور اس لیے جتنے کمال کے آثار ہو سکتے ہیں سب اس کی ذات کیلئے حاصل ہیں یعنی کہ عین ذات ہیں مگر اس کی ذات کیلئے علیحدہ صفات جو ذات کے علاوہ ہوں (یعنی کہ زائد برذات ہوں) موجود نہیں ہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ اس کی صفات زائد برذات نہیں ہیں جو کوئی صفات زائدہ کا قائل ہے وہ دوئی کا قائل ہے۔ خداوند عالم کی ذات اور صفات ایک ہیں وہ ذات ہی ذات ہے جو صفات خاص طور پر محل بحث قرار پائے ہیں اور علم الکلام کی کتابوں میں بیان کیگئے ہیں وہ آٹھ ہیں جو کہ یہ ہیں۔

(۱) قدیم۔ یعنی خدا ہمیشہ سے قدیم ہے

(۲) قادر۔ یعنی کہ خدا ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

(۳) عالم۔ یعنی کہ وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

(۴) حی۔ یعنی کہ خدا زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا

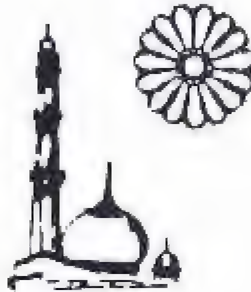
(۵) مرید۔ یعنی کہ اللہ تعالیٰ صاحب ارادہ ہے اور جو چیز واقع ہوتی ہے اس کے اختیار سے ہوتی ہے۔ پس وہ اپنے افعال میں مجبور نہیں

(۶) مدرک۔ یعنی وہ ہر چیز کے ظاہر و باطن کا دریافت کرنے والا ہے اگرچہ آنکھ کان وغیرہ نہیں رکھتا۔

(۷) متکلم۔ یعنی وہ جس چیز سے چاہے کلام پیدا کر سکتا ہے۔ جیسے موسیٰ (ع) کیلئے درخت میں کلام پیدا کیا۔

(۸)　صادق ۔ یعنی خدا کا کلام درست اور برحق ہے ۔ (ماخوذ)

خداوند عالم نے اپنی صفات ثبوتیہ کا قرآن مجید میں متعدد جگہ ذکر فرمایا ہے اور ہر ایک صفت ثبوتیہ کا ذکر علیحدہ علیحدہ ہے تقریباً ۱۸۸ جگہ مختلف آیات میں تمام صفات ثبوتیہ (کمالیہ کا ذکر ہے (قرآن مجید مترجمہ مولانا فرمان علی صاحب قبلہ مرحوم میں مضامین کی مفصل فہرست ملاحظہ ہو)



صفات سلبیہ

صفات سلبیہ

اس سے مراد ہے وہ صفات جو خدا کی ذات کے شایان شان نہیں ہیں۔اور ان کو خدا کی ذات سے دور رکھنا لازمی ہے جو کہ یہ ہیں:۔

(۱) شرکت۔ یعنی خدا کا کوئی شریک نہیں ہے

(۲) ترکیب۔ یعنی خدا مرکب نہیں۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ خدا کا وجود چند چیزوں سے ملکر تیار نہیں ہوا ہے اور اس کا کوئی جزو نہیں ہے۔

(۳) مکان۔ یعنی خدا ایک جگہ اور ایک مقام پر نہیں وہ اپنی قدرت کاملہ سے ہر جگہ موجود اور حاضر ہے وہ لامکان ہے۔

(۴) حلول یعنی خدا کسی چیز میں نہیں سماتا۔آدمی کے بدن میں روح حلول کرتی ہے جب روح نکل جاتی ہے آدمی مرجاتا ہے۔یہ صورت خداوند عالم کے لیے روا نہیں ہے۔ بالفاظ دیگر کہ ایک شے دوسرے شے میں سما جاے اس طرح کہ اس کی صفت قرار پا جاے جیسے سیاہی جسم میں۔

(۵) محل حوادث یعنی خدا مختلف حالات اور کیفیات سے بری ہے پہلے کچھ تھا اور اس کے بعد کسی اور حال میں ہو گیا پس خدا کی ذات تغیرات سے بری ہے

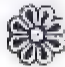
(۶) مری۔ یعنی خداوند عالم لائق دید نہیں ہے نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔

(۷) احتیاج۔ یعنی خدا ذات اور صفات میں کسی دوسرے کا محتاج نہیں ہے وہ ہر طرح سے بے نیاز اور مستغنی ہے۔

(۸) صفات کا زائد بر ذات ہونا۔ یعنی خدا کی صفتیں اس کی ذات کے سوا اور علیحدہ نہیں

ہیں اس کی ذات عین صفات اور اس کی صفات عین ذات ہیں (ماخوذ)

امام محمد تقی علیہ السلام نے سوالب صفات کے ذریعہ معرفت خدا حاصل کرنے کی ہدایت فرمائی ہے کیونکہ صات ثبوتیہ میں کسی بھی صفت کی حقیقت وکنہ کا معلوم کرنا محال ہے لہذا تمام صفات ثبوتیہ کو سمجھنے کے لیے اس کے اضداد کی نفی کر دو۔ اور اسطرح نفی صفات کو ذریعہ معرفت قرار دو یعنی کہ ہر نقص وعیب کو اس کی ذات سے جدا کرتے جاؤ تاکہ اتنا سمجھ لو کہ وہ ہستی ہے اور ہماری طرح نہیں ہے (ماخوذ از حقائق الوسائط موئلفہ جناب مولانا محمد بشیر صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ) امام عالی مقام کے مذکورہ ارشاد سے یہ واضح ہوتا ہے کہ خدا کی ذات عین صفات اور اس کی صفات عین ذات ہیں۔ اس کی صفات ثبوتیہ کمالیہ کے لیے یہ نظریہ رکھنا کہ خدا کی صفات کا انکار کرو کہ محمد وآل محمد اس کی صفات ہیں یہ سراسر غلط اور بے دینی ہے۔ صفات عین ذات کبھی ذات خدا سے جدا نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ خداوند عالم ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا حضرات محمد وآل محمد کو خلق کرنے سے پہلے بھی صفات ثبوتیہ کمالیہ اس کی ذات میں تھیں اور جب دنیا فنا ہو جائے گی تب بھی صفات عین ذات خدا رہیں گی پس محمد وآل محمد (ص) مظہر صفات خدا ہیں نہ کہ صفات خدا۔



اسمائے خداوند تعالیٰ

وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بھاص و ذروا الذین یلحدون فی اسمائہ سیجزون ماکانوا یعملون O (سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۸۰)

ترجمہ :۔ اور اسماء حسنیٰ صرف اللہ ہی کے ہیں انہی ناموں سے اسے پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اللہ کے ناموں میں الحاد سے کام لیتے ہیں اور کج روی اختیار کرتے ہیں یہ لوگ جو کچھ کرتے رہیں گے اس کا بدلا بہت جلد دیا جائے گا۔

جو لوگ اللہ کے ناموں میں کفر کرتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ جن ناموں کی شریعت نے خدا کے واسطے اجازت نہیں دی ہے اس کے ساتھ خدا کو پکارنا جائز نہیں ہے۔ بلکہ ان ناموں سے خدا کو پکارنا کفر ہے خداوند عالم کو صرف انہی ناموں سے پکارنا چاہئے کہ جو قرآن مجید سے ماخوذ ہیں اور شریعت نے اجازت دی ہے۔ حضرت امام رضا علیہ السلام نے اپنے آباء واجداد (ص) سے نقل فرمایا ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے مفرد نام ننانوے ہیں۔ جو شخص ان ناموں کے ذریعہ دعا مانگے گا خداوند تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائے گا حضرت امام جعفر صادق (ع) نے فرمایا ہے کہ خدائے تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ ہم ہیں کہ ہماری معرفت کے بغیر کوئی عمل قبول نہ کیا جائے گا۔ حضرت امام رضا (ع) سے کسی نے دریافت کیا اے فرزند رسولخدا (ص) اسم کیا چیز ہے ارشاد فرمایا کہ موصوف کی صفت پس مومنین کرام کو چاہئے کہ وہ ائمہ معصومین علیہم الصلواۃ والسلام کے ناموں پر اپنے نام رکھیں تاکہ خداوند عالم کے اسماء مبارکہ کی برکت شامل حال ہے اور حضرات محمد وآل محمد (ص) کے وسیلہ سے اپنی حاجات بارگاہ خداوند عالم میں عرض کریں تاکہ دعائیں قبول ہوں اور اول و آخر درود پڑھیں خداوند تعالیٰ کی رحمت اور کبریائی کو مدنظر رکھیں۔

بعض حضرات اسماء حسنیٰ کا ورد اس طرح کرتے ہیں کہ اپنے نام کے ابجدی اعداد اور جس اسم مبارکہ کا ورد مطلوب ہے اس کے ابجدی اعداد کے مجموعہ کے مطابق ورد کرتے ہیں۔ لفظ "یا" اور ال ان دونوں میں سے ایک لفظ مطلوبہ اسم حسنیٰ کے ساتھ شامل کر سکتے ہیں لیکن اس کے ابجدی عدد شامل مجموعہ نہیں ہونگے بنابر احتیاط ضروری ہے کہ ورد ایک مقررہ وقت میں اور ایک نشست میں کیا جائے اور تابراری مقصد روزانہ وقت مقررہ پر کریں متواتر جاری رکھیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ بہ طفیل محمد وآل محمد (ص) دعائیں قبول ہونگی۔

اسم جلالہ "اللہ" اور اسماء حسنیٰ کا بے وضو شخص پر مس کرنا حرام ہے اسی طرح انبیاء واوصیاء (ع) اور ائمہ اثنا عشر (ع) کے نام اور خصوصاً حضرت فاطمہ زہرا اسلام اللہ علیہا کا نام بے وضو شخص پر مس کرنا حرام ہے (بنا پر احوط (وجوبی) (ماخوذ از فقہ جعفریہ)

ہم اسماء الحسنیٰ مع ترجمہ وابجدی اعداد سپرد کتاب کرتے ہیں کہ یہ اہل ایمان کے لئیے حرز جاوداں ہیں۔



اسماء خداوند تعالیٰ

نمبر شمار	نام	ترجمہ	ابجدی عدد
۱	اَللّٰہ		۶۶
۲	اَلْوَاحِد	یکتا۔اکیلا	۱۹
۳	الاحد	بے نیاز	۱۳
۴	الصّمد	بے نیاز	۱۳۴
۵	الاوّل	ہر شے سے پہلا	۳۷
۶	الاخر	ہر انتہا کے بعد	۸۰۰
۷	السمیع	ہر آواز سے باخبر	۱۸۰
۸	البصیر	ہر چیز کا جاننے والا	۳۰۲
۹	القدیر	بڑی قدرت والا	۳۱۴
۱۰	القاہر	غالب	۳۰۶
۱۱	العلی	بلند و برتر	۱۱۰
۱۲	الاعلیٰ	بلند سے بلند تر	۱۱۲
۱۳	الباقی	لازوال	۱۱۳
۱۴	البدیع	بے مثال خالق	۸۶
۱۵	الباری	عدم سے وجود میں لانے والا	۲۱۳
۱۶	الاکرم	بزرگیوں کا مالک	۲۶۱

اسماء خداوند تعالیٰ

نمبر شمار	نام	ترجمہ	ابجدی عدد
۱۷	اَلظَّاہِرُ	عیاں	۱۱۰۶
۱۸	اَلْبَاطِنُ	نہاں	۶۲
۱۹	اَلْحَیُّ	زندہ۔ زندگی کا مالک	۱۸
۲۰	اَلْحَکِیْمُ	حکمت کا مالک	۷۸
۲۱	اَلْعَلِیْمُ	ہر حقیقت سے باخبر	۱۵۰
۲۲	اَلْحَلِیْمُ	درگزر کرنے والا	۸۸
۲۳	اَلْحَفِیْظُ	حفاظت کرنے والا	۹۹۸
۲۴	اَلْحَقُّ	اسکی ذات شک و شبہ سے بالاتر ہے	۱۰۸
۲۵	اَلْحَسِیْبُ	کافی	۸۰
۲۶	اَلْحَمِیْدُ	قابل تعریف	۶۲
۲۷	اَلْخَفِی	پوشیدہ	۶۹۰
۲۸	اَلرَّب	پالنے والا	۲۰۲
۲۹	اَلرَّحْمٰنُ	بہت رحم کرنے والا	۲۹۵
۳۰	اَلرَّحِیْمُ	بے حد رحم کرنے والا	۲۵۸
۳۱	الذاری	نسلوں کا پیدا کرنے والا	۲۱۸
۳۲	اَلرَّازِقُ	رزق دینے والا	۳۰۸

اسماء خداوند تعالیٰ

نمبر شمار	نام	ترجمہ	ابجدی عدد
۳۳	اَلرَّقِیۡبُ	نگہبان	۳۱۲
۳۴	الرای	نگران	۲۱۱
۳۵	اَلرَّؤُفُ	بہت شفقت والا	۲۸۶
۳۶	اَلسَّلَامُ	سلامتی والا	۱۳۱
۳۷	اَلْمُؤْمِنُ	امن دینے والا	۱۳۶
۳۸	اَلْمُهَيْمِنُ	پاسبان	۱۴۸
۳۹	اَلْعَزِيْزُ	صاحب اقتدار	۹۴
۴۰	اَلْجَبَّارُ	سب سے قوی تر	۲۰۶
۴۱	اَلْمُتَكَبِّرُ	بڑائی والا	۶۶۲
۴۲	اَلسَّيِّد	سردار کل	۷۴
۴۳	اَلسَّبُّوح	ہر عیب سے پاک	۷۶
۴۴	اَلشَّهِيْدُ	حاضر و ناظر گواہ	۳۱۹
۴۵	اَلصَّادِقُ	سچا	۱۹۵
۴۶	اَلصَّانِعُ	مخلوق بنانے والا	۲۱۱
۴۷	اَلطَّاهِرُ	پاک	۲۱۵
۴۸	اَلْعَدْلُ	انصاف کا مالک	۱۰۴
۴۹	اَلْعَفُوُّ	گناہوں کو بخشنے والا	۱۵۶

اسماءِ خداوند تعالیٰ

نمبر شمار	نام	ترجمہ	ابجدی عدد
۵۰	اَلْغَفُوْرُ	مغفرت کرنے والا	۱۲۸۶
۵۱	اَلْغَنِیُّ	بے نیاز	۱۰۶۰
۵۲	اَلْغیاثُ	فریادرس	۱۵۱۱
۵۳	اَلْفَاطِرُ	خالق	۲۹۰
۵۴	اَلْفَرد	منفرد	۲۸۶
۵۵	اَلْفَتّاحُ	فتح دینے والا	۴۸۹
۵۶	اَلْفَالِقُ	دانہ شگافتہ کرنے والا	۱۶۱
۵۷	اَلْقَدِیْمُ	ازل سے موجود	۱۵۴
۵۸	اَلْمَالِكُ	بادشاہ کل	۹۰
۵۹	اَلْقُدُّوْسُ	ہر نقصان سے پاک	۱۷۰
۶۰	اَلْقَوِیُّ	قوت کا مالک	۱۱۶
۶۱	اَلْقَرِیْبُ	بہت نزدیک	۳۱۲
۶۲	اَلْقَیُّوْمُ	ہر شے کو ثبات دینے والا	۱۵۶
۶۳	اَلْقَابِضُ	قبض کرنے والا	۹۰۳
۶۴	اَلْبَاسِطُ	وسعت دینے والا	۷۲
۶۵	اَلْقَاضِیُ	فیصلہ کرنے والا	۹۱۱

اسماء خداوند تعالیٰ

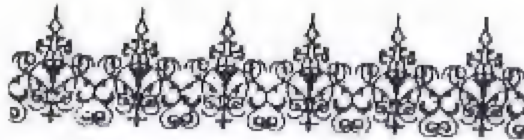
نمبر شمار	نام	ترجمہ	ابجدی عدد
۶۶	اَلْمَجِیْدُ	شرف و بزرگی والا	۵۷
۶۷	اَلْوَلِیُّ	مولی مددگار	۴۶
۶۸	اَلْمَنَّانُ	بہت احسان کرنے والا	۱۳۱
۶۹	اَلْمُحِیْطُ	احاطہ کرنے والا	۶۷
۷۰	اَلْمُبِیْنُ	ظاہر اور واضح	۱۰۲
۷۱	اَلْمُقِیْتُ	قادر	۵۵۰
۷۲	اَلْمُصَوِّرُ	صورت دینے والا	۳۳۶
۷۳	اَلْکَرِیْمُ	بہت کرم کرنے والا	۲۷۰
۷۴	اَلْکَبِیْرُ	کبریائی والا	۲۳۲
۷۵	اَلْکَافِیْ	مددگار	۱۱۱
۷۶	کَاشِفُ الضَّرِّ	سختی دور کرنے والا	۱۳۰۱
۷۷	اَلْوِتْرُ	یگانہ	۶۰۶
۷۸	اَلنُّوْرُ	روشن ذات والا	۲۵۶
۷۹	اَلْوَهَّابُ	بہت عطا کرنے والا	۱۴
۸۰	اَلنَّاصِرُ	نصرت دینے والا	۳۳۱
۸۱	اَلْوَاسِعُ	وسعت رکھنے والا	۱۳۷

اسماء خداوند تعالیٰ

نمبر شمار	نام	ترجمہ	ابجدی عدد
۸۲	اَلْوَدُوْدُ	بے حد محبت کرنے والا	۲۰
۸۳	اَلْہَادِیُ	ہدایت کرنے والا	۲۰
۸۴	الوفی	صادق	۶۶
۸۵	اَلْوَکِیْلُ	کارساز	۶۶
۸۶	اَلْوَارِثُ	وارث کل باقی رہنے والا	۷۰۷
۸۷	اَلْبَرّ	نیکی ورحم کا مالک	۲۰۲
۸۸	اَلْبَاعِثُ	فنا کے بعد زندہ کرنے والا	۵۷۳
۸۹	اَلتَّوَّابُ	توبہ قبول کرنے والا	۴۰۹
۹۰	اَلْجَلِیْلُ	جلالت کا مالک	۷۳
۹۱	اَلْجَوَّادُ	بہت زیادہ احسان کرنے والا	۱۴
۹۲	اَلْخَبِیْرُ	بہت زیادہ جاننے والا	۸۱۲
۹۳	اَلْخَالِقُ	پیدا کرنے والا	۷۳۱
۹۴	خَیْرُ النَّاصِرِیْنَ	اچھا مددگار	۱۲۱۱
۹۵	الدیان	بدلہ دینے والا	۶۵

اسماء خداوند تعالیٰ

نمبر شمار	نام	ترجمہ	ابجدی عدد
۹۶	اَلشَّكُوْرُ	شکریہ قبول کرنے والا	۵۲۶
۹۷	اَلْعَظِيْمُ	مالک عظمت	۱۲۹
۹۸	اَللَّطِيْفُ	لطف و احسان کرنے والا	۱۲۹
۹۹	اَلشَّافِی	شفا دینے والا	۳۹۱



اللہ یکتا معبود برحق ہے

آیت: اِنَّمَا اللّٰہُ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ (سورۃ النساء ایت نمبر ۱۷۱)

ترجمہ: اللہ یکتا معبود ہے۔

ارزوے لغت عبادت کے معنی ہیں کسی کے سامنے اپنی بندگی کا اظہار کرنا۔ معبود کے معنی ہیں عبادت کیا گیا۔ یہ بھی ایک بدیہی چیز ہے کہ تحقق عبادت اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب کوئی عبادت کرنے والا موجود ہو پس عابد کا وجود مقدم ہے اب غور طلب یہ امر ہے کہ اول العابدین کون ہے؟ یعنی سب سے پہلے خداوند تعالیٰ کی عبادت کس نے کی قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ۝ (سورۃ الزخرف آیت نمبر۸۱) یعنی کہ (اے رسولؐ) تم کہدو کہ اگر خدا کے کوئی اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کو تیار ہوں۔ اس آیتہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خداوند عالم کی کوئی اولاد نہیں ہے کیونکہ انحضرتؐ نے اس چیز کو مشروط قرار دیا کہ اگر خدا کی کوئی اولاد ہوتی تو میں اس کی عبادت کرتا۔ کیونکہ خدا کی عبادت کرنا اور وجود محمدی (ص) لازم وملزم ہیں۔ بحوالہ تفسیر صافی ص ۱۵۸ اس آیت کا یہ مطلب بھی ہے کہ انحضرت (ص) سب سے پہلے نفرت کرنے والے ہیں اس بات سے کہ اللہ تعالیٰ کے کوئی فرزند (بیٹا) ہے وہ تو یکتا ہے نہ خدا نے کسی کو جنا نہ وہ جنا گیا۔ پس خداوند عالم ہی معبود برحق ہے اور انحضرت (ص) سب سے پہلے عابد ہیں۔ اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا تین میں کا تیسرا ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک وہ تین یہ ہیں۔ (۱) روح القدس (۲) عیسیٰ (۳) خداوند عالم اس نے ارشاد فرمایا ہے وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ کہ اور (تین) خدا کے قائل نہ ہو یعنی تثلیث سے باز رہو۔ توحید کا قصد کرو اللہ تو بس یکتا معبود برحق ہے پس انحضرت (ص) چونکہ اول مخلوق ہیں اور آپ کی ذریت طیبہ شریک نور محمدیؐ ہے پس حضرات محمد وآل محمدؐ عبادت خدا کیلئے

مشابہ ہیں لہٰذا وہی طرق عبادت صحیح ہیں کہ جو محمدؐ و آل محمدؐ کے ارشادات اور عمل کے مطابق ہوں تاکہ عبادت قبول ہو۔ عبادت خدا کے یہ معنی ہیں کہ خدا کی اطاعت کی نیت سے مخصوص کیفیتوں کے ساتھ اس کی کبریائی و عظمت اور اپنی عاجزی کا اظہار کرنا۔ مخصوص کیفیتوں سے تمام فروعات مراد ہیں مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوۃ، جہاد و خمس وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ ان کے طرق عبادت جداگانہ ہیں ان تمام چیزوں کی صورت عمل الگ الگ معین شدہ ہے۔ فروع دین سے پہلے اعتقادات کی بمقدار واجب۔ معرفت حاصل کرنا بھی عبادت میں داخل ہے بلکہ اساس عبادت ہے۔ اصول دین میں تقلید نہیں ہے تحقیق ہے تاکہ دین استوار ہو اگر مکلف خود تعلیم یافتہ نہیں ہے تو اصول دین کی آگہی کے لیے کسی عالم دین سے اصول دین سیکھنا واجب ہیں۔ فروع دین کا تعلق عمل سے ہے لہٰذا اس میں تقلید اعلم واجب ہے۔ لہٰذا مکلف کو چاہیے کہ وہ تقلید مجتہد اعلم کرے تاکہ عمل بصحت ادا ہو اور مقبول ہو۔ اصول دین میں تیقن کا حاصل ہونا عبادت ہے اور فروع دین پر عمل کرنا عبادت ہے اور اصل عبادت۔ خلوص نیت سے مربوط ہے اور ہر وہ امر کہ جس میں خوشنودی خدا و رسولؐ ہو عبادت میں داخل ہے اور ہر ایک امر عبادت میں نبیؐ و امامؑ کے قول و عمل کو منجانب اللہ مدخلیت حاصل ہے پس عبادت خدا میں نبیؐ و امامؑ کی اطاعت واجب قرار دی گئی ہے اگر نبیؐ و امامؑ کی اطاعت مدنظر نہیں ہے تو عبادت ہرگز قبول نہیں ہے۔

اصول دین کی دو قسمیں ہیں (۱) اصول اسلام (۲) اصول ایمان اصول اسلام تین ہیں (۱) توحید (۲) نبوت (۳) قیامت ان تینوں کے اقرار کے ساتھ مکلف ہیں صفت اسلام پیدا ہوتی ہے اصول ایمان۔ پانچ ہیں یہ مذکورہ تینوں اصول اسلام اور عدل و امامت۔ یعنی کہ توحید کے ساتھ عدل اور نبوت کے ساتھ امامت پر اعتقاد ہو۔ اصول اسلام پر اعتقاد ہونے سے طہارت پیدا ہوتی ہے یعنی کہ مکلف میں صفت اسلام پیدا ہوتی ہے اور اصول ایمان سے عبادت قبول ہوتی ہے پس عبادت۔ نبی و امام سے مربوط ہے اور ان کی اطاعت سب پر واجب ہے یہ بھی ایک بدیہی چیز ہے کہ اصول دین میں تحقیق (بقدر علم ہر مکلف پر واجب

ہے) اور فروع دیں مین تقلید ہے پس مجتہد اعلم کی تقلید واجب ہے ہر مکلف کو چاہیے کہ اعلم وقت کی تقلید کرے اور ان کے مسائل پر بوقت ضرورت عمل کرے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے قُولُوا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوا

○ یعنی کہ کہو اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے نجات اخروی اسی اقرار سے مربوط ہے۔ اس حدیث مبارکہ میں اولا کلمہ لا ہے جو نفی جنس کے لیے ہے۔ خدا کی تو کوئی جنس نہیں ہے لیس کمثلہ شی . شاہد ہے پس نفی جنس سے یہ مراد ہے کہ خداوند عالم کے سوا کوئی اور لائق عبادت نہیں ہے۔ خدا ہی یکتا معبود برحق ہے۔

حضرت امیر المومنین علی ابن ابطالب (ع) نے ارشاد فرمایا ہے الہی ماعبدتک طمعاً فی جنتک ولاخوفاً من نارک بل وجدتک اھلا للعبادۃ نعبدتک۔ یعنی کہ اللہ میں تیری عبادت جنت کی طمع میں نہیں کرتا نہ تیرے جہنم کے خوف سے عبادت کرتا ہوں میں نے تو تجھے لائق عبادت پایا پس تیری عبادت کرتا ہوں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کہ خدا ہی لائق عبادت ہے اور وہ ہی معبود برحق ہے



پہلی وحی اور بعثت رسولؐ خدا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آیت: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ (سورۃ العلق آیت نمبر۱)

ترجمہ: (اے رسولؐ) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے پیدا کیا۔

اس آیت کی شان نزول یہ ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک روز غار حرا، میں جو آپ کی عبادت کی جگہ تھی بیٹھے تھے کہ حضرت جبرئیل آپ کے سامنے آئے۔ اور کہا مجھے خدا نے آپ کے پاس بھیجا ہے اور آپ خدا کے رسولؐ ہیں جبرئیل امین نے کہا کہ پڑھئے آپ نے فرمایا میں کیا پڑھوں اس نے کہا اقرا باسم ربک الذی خلق ٥ آپ نے فرمایا میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں تب جبرئیل نے آپ کو سینے سے لگا کے اتنے زور سے دبایا کہ آپ بے طاقت ہو گئے۔ اور یہی عمل دو تین مرتبہ ہوا اور آپ پر خوف طاری ہو گیا۔ جبرئیل چلے گئے اور آنحضرت (ص) اپنے گھر تشریف لے آئے اور خدیجہؓ سے کہا کہ مجھے چادر اڑھا دو۔ اور اٹھے تو کہا کیا مجھے سودا ہو گیا ہے خدیجہؓ نے کہا ہر گز نہیں پھر وہ ان کو اپنے چچا ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو اعلیٰ درجہ کے راہب تھے اور سارا حال بیان کیا۔ ورقہ نے کہا آپ کو مبارک ہو تم کو اللہ نے رسول بنایا یہ وہی فرشتہ ہے کہ جو اگلے پیغمبروں کے پاس آیا کرتا تھا۔

تفسیر صافی صفحہ ۵۲۳ پر بحوالہ تفسیر قمی امام محمد باقر(ع) سے منقول ہے کہ یہ سب سے پہلی سورت ہے کہ جو نازل کیگئی۔ اس سے ترشح ہوتا ہے کہ نزول قرآن کا آغاز اسی سورۃ العلق سے ہوا ہے۔ اس قسم کی روایات۔ کہ جبرئیل امین نے آنحضرتؐ کو سینہ سے لگا کے دو تین مرتبہ دبایا منافی شان آنحضرتؐ ہیں۔ کیونکہ آنحضرت (ص) تو عالم نور میں بھی نبوت پر فائز تھے جیسا کہ احادیث میں وارد ہوا ہے کنت اول الانبیاً فی الخلق وآخرھم فی البعث کنت نبیا و

آدم بین الماء والطین کہ پیدا ہونے کے اعتبار سے سب سے اول نبی ہوں اور بعثت کے اعتبارؑ
سے سب کے بعد مبعوث کیا گیا ہوں اور آدم جبکہ پانی اور مٹی کے درمیان تھے پس جبکہ آپ
عالم نور ہی میں نبوت پر فائز تھے تو وقت بعثت آپ کو نبوت عطا نہیں ہوی ہے بلکہ مامور
یت برسالت عمل میں آئی ہے جبرئیل امین تو آپ کو عالم نور ہی سے جانتے تھے۔ انہیں معلوم
تھا کہ آپ نبوت پر فائز ہیں پس سینے سے لگانا ور زور سے دبانا۔ اور پھر اس دباؤ کی تکرار کیا
معنیٰ؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی روایات بیان کرنے والے عظمت انحضرت (ص)
سے بے بلد ہیں جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ جبرئیلؑ نے فرمایا۔ یا محمد (ص) اقرا کہ پڑھئے آپ نے
فرمایا ما اقراء کہ میں کیا پڑھوں چونکہ قرآن تو عالم نور ہی میں تعلیم کیا جا چکا تھا اور بعثت عالم
بشریت سے متعلق ہے لہذا آپ کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ قرآن میں سے کیا چیز پڑھوں
جس پر جبرئیل نے فرمایا کہ آپ اللہ کا نام لے کر پڑھئے۔ اور آپ نے سورۃ العلق کی تلاوت کی
یہ بھی تفسیر صافی والی روایت میں ہے کہ یہاں خلق سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے
نور کو سب اشیاء عالم سے پہلے خلق فرمایا ہے۔ (اگر اس مقام پر نور کو من مجاز نور کہا
جائے کہ انحضرتؐ کی خلقت نوری نہیں ہے تو پھر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اگر آپ کو بشریت
(طین) کے اعتبار سے دیکھا جائے تو آپ اول بشر نہیں ہیں بلکہ اول بشر جناب آدمؑ ہیں لہذا
انحضرت کی خلقت نوری سے انکار کرنا اور من باب المجاز نور کہنا سراسر تکذیب احادیث ہے
اور انحضرت (ص) کی شان میں تقصیر کا مترادف ہے (معاذ اللہ) پس سورۃ العلق ظاہر کرتی ہے
کہ تنزیل قرآن کی ابتداء روز بعثت یعنی ۲۷ ویں رجب کو ہوئی ہے یعنی کہ اس دن
انحضرتؐ مبعوث رسالت ہوے ہیں۔ کیا کہنا واللہ ماہ رجب کا۔ یہ مہینہ بڑی برکتوں کو اپنے
دامن میں لیے ہوئے ہے۔ انحضرت ۲۷ ویں رجب کو مبعوث برسالت ہوے اور جب آپ
معراج میں تشریف لیگئے تو وہ بھی ۲۷ ویں رجب تھی۔ اور جب خداوند عالم نے انحضرتؐ کو ان
کا وصی خلیفہ عطا فرمایا تو ۱۳ ویں رجب تھی۔ بڑی مبارک شب ہے۔ بیت اللہ خود باعث صد
برکت ہے اس شب جناب فاطمہ بنت اسد پر جب آثار ولادت جناب امیر المومنین ابن

ابیطالب ظاہر ہوئے تو آپ اپنے گھر سے نکلیں۔ کعبۃ اللہ میں آئیں۔ در کعبہ مقفل تھا آپ پس کعبہ تشریف لائیں اور غلاف کعبہ دست مبارک میں لے کر دعا کی کہ پروردگار تو اس گھر کا مالک ہے میری مشکل کو آسان کر کہ دیوار کعبہ شق ہوئی دیوار میں در بنا اور آپ بیت اللہ میں داخل ہوئیں۔ دیوار پھر مل گئی اور کعبۃ اللہ میں حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب (ع) ۱۳ رجب المرجب ۳۰ بعد عام الفیل پیدا ہوئے چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب ازالۃ الخفا میں بحوالہ امام حاکم فرماتے ہیں قد تواترت الاخبار ان فاطمۃ بنت اسد ولدت علیاً فی جوف الکعبہ یعنی کہ اخبار متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ فاطمہ بنت اسد نے علی کو عین کعبہ میں جنا ہے اور بھی کتابی اسناد موجود ہیں (حوالہ کیلئے البلاغ المبین مصنفہ جناب آغا محمد سلطان مرزا صاحب دہلوی (مرحوم و مغفور) صفحہ ۱۲۵ ملاحظہ ہو)

تمام تاریخیں بتلاتی ہیں کہ حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب (ع) کعبہ میں پیدا ہوئے ہیں تین دن تک جناب فاطمہ بنت اسد کعبہ میں رہیں مگر حضرت علی نے اپنی آنکھیں بند رکھیں۔ پھر جب آپ کعبہ سے باہر نکلیں اس طرح کہ دیوار کعبہ شق ہوئی اور آپ باہر آئیں پھر دیوار مل گئی اس وقت حضرت رسولخدا (ص) اور جناب ابو طالب بھی موجود تھے۔ آنحضرت (ص) نے بچہ کو گود میں لیا۔ حضرت علیؑ نے آنکھیں کھولیں اور سب سے اول جمال سید البشرؐ کی زیارت کی۔ یہ بھی روایات سے ثابت ہے کہ جب آنحضرت (ص) نے علی ابن ابیطالب (ع) کی گود میں لیا اپنی زبان وحی ترجمان چوسای۔ اس وقت حضرت علیؑ نے سورۃ المومنون کی شروع کی آیات کی تلاوت فرمائی۔

یہ بدیہی چیز ہے کہ حضرت علی ابن ابیطالب (ع) حضرت رسولخدا (ص) کے مبعوث برسالت ہونے سے دس برس پہلے پیدا ہوئے ہیں اس وقت تک نہ آنحضرتؐ نے اپنی نبوت کا اظہار فرمایا تھا اور نہ ہی آپؐ پر قرآن نازل ہو شروع ہوا تھا پس قبل نزول قرآن حضرت علی (ع) کا سورۃ المومنوں کی آیات کی تلاوت کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ نبیؐ و علیؑ کو عالم نور ہی میں منجانب خدا قرآن تعلیم کیا گیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تعلیم قرآن مقدم ہے اور تنزیل

قرآن متواتر ہے تنزیل قرآن عالم بعثت سے متعلق ہے اور تعلیم قرآن عالم نور سے متعلق ہے جو اس امر کی دلیل ہے کہ حضرات محمدؐ وآل محمدؐ کی خلقت نوری ہے اور قرآن بھی نور ہے۔

محمد بن محمود قزوینی شافعی نے بھی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے آنحضرت (ص) کی آغوش مبارک میں قرآن کی تلاوت کی ہے۔اور تلاوت سے پہلے آپؑ نے آنحضرت (ص) کو سلام کیا ہے السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ چنانچہ ہمارا ایمان ہے کہ یا رسولؐ اللہ کہکر سلام کرنا طریقہ مرتضویؑ ہے جو الحمد اللہ آج تک مسلمانوں میں جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا

لاکھوں درود وسلام ہوں حضرات محمدؐ وآل محمدؐ پر



تنزیل قرآن من اللہ ہے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاِنَّہٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ نَزَلَ بِہِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ عَلٰی قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ ○ (سورۃ الشعرا، آیات نمبر ۱۹۲ تا ۱۹۵)

ترجمہ: اور (اے رسولؐ) بے شک یہ (قرآن) ساری خدائی کے پالنے والے خدا کا اتارا ہوا ہے جسے روح الامین (جبرئیل) صاف عربی زبان میں لے کر تمہارے دل پر نازل ہوئے ہیں تاکہ تم بھی (اور رسولوں کی طرح لوگوں کو عذاب خدا سے) ڈراؤ

جب ہم ان آیات پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی طرف سے قرآن مجید۔ حضرت رسولخدا (ص) کے قلب مبارک پر نازل ہوا ہے۔ اگر قرآن لکھی لکھائی صورت میں نازل ہوتا یعنی لوح و تختی کی صورت میں نازل ہوتا یا کسی اور مکتوبی صورت میں نازل ہوتا تو جبرئیل امین قرآن لے کر آنکھوں کے سامنے نازل ہوتے اور آنحضرت (ص) اسے دیکھ کر پڑھتے اور اگر قرآن آواز کی صورت میں نازل ہوتا۔ جیسے کوہ طور پر حضرت موسیٰ (ع) کو شجر سے آواز آ رہی تھی۔ تو پھر قرآن کے الفاظ۔ آواز کی صوت میں آنحضرت کے گوش زد ہوتے۔ اور آنحضرتؐ قرآن لوگوں کو سناتے لیکن ایسی دونوں صورتیں نہیں ہیں نہ قرآن لکھی لکھائی صورت میں نازل ہوا ہے اور نہ آواز کی صورت میں بلکہ اسے جبرئیل امین لیکر قلب نبوی (ص) پر نازل ہوئے ہیں

اگر بغور دیکھا جائے تو اس ایت سے اس چیز کی بھی تردید ہوتی ہے جیسا کہ بعض مخالفین اسلام یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن مجید کے بعض مطالب کو سفر شام کے درمیان کسی راہب سے حاصل کیا تھا۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ نے ایک

شمشیر سازرومی سے اخذ کئے ہیں۔ان دونوں نظریوں کا علوم قرآن سے کوئی ربط ہی نہیں ہے کیونکہ آنحضرتؐ نے پہلا سفر شام اس وقت اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ کیا ہے کہ آپ سن بلوغ تک نہ پہونچے تھے۔اور دوسرا سفر ۲۵ سال کی عمر میں حضرت خدیجہ کے غلام میسرہ کے ساتھ کیا ہے اس سفر میں وہ لوگ بھی آپ کے ساتھ تھے کہ جو سفر اول میں ملاقی ہوئے ہیں وقت سفر مختصر اور قرآن مجید کے علوم لامتناہی۔ان بے پایاں علوم و معارف قرآنی سے اس کا کیا تعلق ہے پس تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ سب باتیں بے بنیاد ہیں۔قرآن الفاظ کی صورت میں نازل نہیں ہوا ہے بلکہ وہ ایک نور ہے کہ جسے لے کر جبرئیل امین آنحضرت (ص) کے دل پر نازل ہوئے ہیں جس کا واضح سا یہی مطلب ہے کہ اس نور سے حقیقت علمیہ قرآن اور اس کی معنوی آگہی مراد ہے قرآن میں ارشاد ہوا ہے الرحمن O علم القرآن O (سورۃ رحمن یعنی کہ خدائے مہربان نے قرآن کی تعلیم فرمائی۔یہ تعلیم۔تعلیم لفظی نہیں ہے۔چنانچہ جبرئیل امین قرآن لے کر قلب نبوی (ص) پر نازل ہوئے ہیں جب کہ ارشاد خداوند تعالیٰ ہے نزل بہ الروح الامین O یعنی کہ اے رسولؐ امین وحی قرآن لے کر تمہارے دل پر نازل ہوئے ہیں۔تفسیر صافی صفحہ ۳۶۸ پر ہے کہ روح الامین سے حضرت جبرئیلؑ مراد ہیں جو خدائے تعالیٰ کی وحی کے امین یعنی امانت دار ہیں کافی اور البصائر میں امام محمدؐ باقر (ع) سے منقول ہے کہ جبرئیل امین جو کچھ لے کر آتے تھے اس سے حضرت امیرالمومنین (ع) کی ولایت مراد ہے تفسیر قمی میں حضرت امام جعفر صادق (ع) سے منقول ہے کہ اس سے ولایت امیرالمومنین (ع) مراد ہے جو غدیر خم کے دن نازل ہوئی۔اگر بغائر دیکھا جائے تو مذکورہ ارشادات سے یہی ترشح ہوتا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کا لقب روح الامین اس بنا پر ہے کہ آپ ولایت علی ابن ابطالب (ع) اللہ کی طرف سے لے کر نازل ہوتے تھے۔اور چونکہ امین کی شان ہی یہ ہے کہ وہ کچھ کہیں سے لے کر آئے بجنسہ اس کو پہونچا دے وحی کے معنی ہیں "کلام الہی" اللہ کا کلام چونکہ خداوند عالم۔کی ذات علم ہے اور علم عین ذات خدا ہے پس خدا الفاظ کا محتاج نہیں ہے۔لیکن مخلوق۔کسی شے کا علم حاصل کرنے میں الفاظ کی محتاج ہے پس چونکہ

قرآن انحضرت (ص) پر اس لیے نازل کیا گیا کہ وہ دوسرے رسولوں کی طرح لوگوں کو عذاب خدا سے ڈرائیں لہذا مذکورہ آیت میں یہ نازل فرمایا کہ بلسان عربی مبین O کہ جبرئیل امین قرآن کو صاف عربی زبان میں لے کر نازل ہوئے ہیں۔ تفسیر صافی صفحہ ۳۶۸ پر اس کے بارے میں یہ وارد ہوا ہے کہ بلسان عربی مبین O کے معنی ہیں واضح معنوں والی زبان اور علل الشرائع میں یہ وارد ہوا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے جسے امام محمد باقر (ع) نے نقل فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی کتاب یا وحی نازل نہیں کی مگر یہ کہ وہ عربی زبان میں لیکن ہر نبی کے کان میں آواز ان کی قومی زبان ہی میں پہونچتی تھی۔ اور حضرت پیغمبر اسلام اس کو عربی زبان میں ہی سنتے تھے۔ اور جب آپ اپنی قوم کو سناتے تھے اور وہ لوگ عربی میں سنتے تھے۔ اور جب کوئی شخص جناب رسولخدا (ص) سے کلام کرتا تھا خواہ وہ کسی زبان میں کلام کرے۔ آپ کا کانوں میں اس کا کلام عربی زبان ہی میں پہونچتا تھا۔ ان سب زبانوں کا ترجمہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کرتے جاتے تھے بہ سبب اس شرف کے جو منجانب اللہ انحضرت (ص) کو حاصل تھا۔

حضرت جبرئیلؑ سے یہودی لوگ دشمنی رکھتے تھے اور وہ لوگ کہتے تھے کہ جو وحی حضرت جبرئیل لے کر نازل ہوتے ہیں ہم لوگ نہ مانیں گے حالانکہ خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جبرئیل میرے حکم سے وحی لے کر رسولؐ کو پہونچاتے ہیں۔ جبرئیل کا دشمن میرا دشمن ہے جب کہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے قل من کان عدو الجبریل فانہ نزلہ علی قلبک باذن اللہ مصدقا لما بین یدیہ وھدی وبشری للمومین O (سورۃ البقرآیت نمبر ۹۷) یعنی کہ (اے رسولؐ تم ان لوگوں سے کہدو کہ جو جبرئیل کا دشمن ہے اس کا خدا دشمن ہے کیونکہ اس فرشتے نے خدا کے حکم سے (اس قرآن) کو تمہارے دل پر ڈالا ہے اور وہ ان کتابوں کی بھی تصدیق کرتا ہے جو پہلے نازل ہو چکی ہیں اور اب اس کے سامنے موجود ہیں۔ اور ایمانداروں کیلئے خوشخبری ہے پس انحضرتؐ پر تنزیل قرآن اور حضرت جبرئیل کا مامور بوحی ہونا یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے پس تنزیل قرآن اللہ کے وجود کی دلیل ہے اور وہی علیم بالذات ہے۔

دین ابتداء خدا کی معرفت ہے

حضرت امیر المومنین علی ابن ابطالب نے ارشاد فرمایا ہے اول الدین معرفتہ (نہج البلاغہ) یعنی کہ دین کی ابتداء اس کی معرفت ہے ہم اس خطبہ مبارکہ سے بعض اقتباس سپرد قرطاس کرتے ہیں جو کہ یہ ہیں:-

اول الدین معرفته وکمال معرفته التصدیق به وکمال التصدیق به توحید وکمال توحیده الاخلاص له وکمال الاخلاص له نفی الصفات عنه۔

دین کی ابتداء خدا کی معرفت ہے کمال معرفت یہ ہے کہ اس کی تصدیق کی جائے اور تصدیق اس کی توحید پر یقین لانے سے کامل ہوتی ہے اور توحید کی تکمیل یہ ہے کہ اسے خالص یکتا تسلیم کیا جائے پھر اس وحدت یکتای اور اخلاص کا درجہ کمال یہ ہے کہ اسے تمام صفات زائدہ سے مبراو منزہ سمجھ لیں صفت زائدہ سے مراد ہے صفت کا موصوف سے جدا ہونا اور جب موصوف کو کسی صفت سے متصف کیا جاتا ہے تو دوی کا پیدا ہونا یقینی بات ہے اس لیے انجابؑ نے اسی خطبہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ وکمال الاخلاص لہ نفی الصفات عنہ۔ کہ کمال اخلاص اس کی ذات سے صفات کی نفی ہے اس لیے کہ (فرمایا) لشہادۃ کل صفۃ انھا غیر الموصوف وشہادۃ کل موصوف انہ غیر الصفت اس لیے کے ہر صفت شاہد ہے کہ وہ اپنے موصوف کی غیر ہے اور ہر ایک موصوف شاہد ہے کہ وہ اپنی صفت کا غیر ہے فمن وصف اللہ سبحانہٗ فقد قرنہٗ پس جس نے ذات خدا کے علاوہ اس کی صفات مانیں تو گویا اس نے خدا کیلئے صفات زائدہ قرار دیں اور گویا اسے (مخلوق سے) قرین سمجھ لیا اور (صفت کو) اس کا ہمسر بنا دیا اور من قرنہٗ فقد ثناہ یعنی کہ جس نے اس کو مقارن و نزدیک سمجھ لیا تو گویا وہ دوئی کا قائل ہو گیا... انجنابؑ کے ان ارشادات سے واضح ہوتا ہے کہ خدا کی صفات اس کی ذات کے علاوہ

نہیں ہیں بلکہ عین ذات خداہیں اور بھی دوسرے خطبات ائمہ معصومین (ع) سے بھی ثابت ہے کہ خدا کی صفات عین ذات اور ذات خداعین صفات ہے پس اس صورت میں کہ خدا کی صفات عین ذات اور ذات خداعین صفات ہے۔ توحید میں اخلاص اور یکتای برقرار راہتی ہے ورنہ نہیں لہذا صفات خدا کا عین ذات تسلیم کرنے سے دین کی ابتداء دین کا پہلا درجہ دین کا آغاز ہوتا ہے۔ اور اسی چیز کی طرف اشارہ ہے اس ارشاد مبار کہ میں کہ اول الدین معرفتہ کہ دین کی ابتداس کی معرفت ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کو خداوند عالم کی صفاتی معرفت حاصل نہیں ہے تو اس پر واجب ہے کہ معرفت خداحاصل کرے علم و معرفت لازم و ملزوم ہیں۔ علم کہتے ہیں جاننے کو یعنی علم بمعنی جاننا ہے اور معرفت بمعنی پہچاننا ہے لہذا علم کسی شے کا جاننا اور اس شے کے آثار کا علم حاصل کرنا معرفت کہلاتا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ چونکہ کنہ ذات خدا کی معرفت دین میں کوئی مفید آخرت نہیں ہے۔ سوائے اسکے کہ خداوند تعالٰی کا صفات عین ذات پر یقین وایمان رکھے تاکہ آغاز دین بھی ہو۔ اور دین استوار و قبول بھی ہو۔ واضح رہے کہ نبوت لازمہ توحید ہے اور امامت لازمہ نبوت ہے پس معرفت توحید معرفت رسولؐ اور معرفت امامؑ سے دین استوار ہوتا ہے اور اس کے ساتھ تکملہ دین وابستہ ہے جس پر آیتہ مجیدہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (سورۃ المائدۃ آیت نمبر ۳)

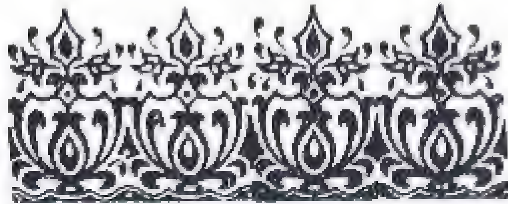
یعنی کہ آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے اس دین اسلام کو پسند کیا۔ شاید ہے پس ابتداء دین خدا کی معرفت اور تکملہ دین ولایت حضرت امیر المومنین علی ابن ابطالب سے مربوط ہے۔

کلمۂ توحید قلعہ امن و امان ہے

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ حِصۡنِیۡ فَمَنۡ دَخَلَ حِصۡنِیۡ اَمِنَ مِنۡ عَذَابِیۡ (حدیث قدسی)

جنہوں نے اسلامیات کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ جب ۲۰۰ھ میں ضامن و ثامن حضرت امام علی الرضا علیہ التحیۃ والثناء مدینہ منورہ سے مرو کی جانب روانہ ہوئے اور بعد قطع نازل انجناب کی سواری شہر نیشاپور (ایران) پہونچی تو علماء و فضلاء اور عمائدین شہر نے انجناب کا استقبال شایان شان کیا۔ اس وقت علماء کی کثیر تعداد خصوصی طور پر اس لیے آئی تھی کہ امام عالی مقام کی زبان اقدس سے ادا کئے ہوئے الفاظ قلمبند کریں جو حقیقت میں کلام خدا کے بعد دوسرے درجہ پر ہیں اور اسے اپنے واسطے سرمایہ نجات قرار دیں۔ چنانچہ امام المحدثین حافظ ابو زرعہ اور محمد بن اسلم طوسی کہ اکابر علمائے نیشاپور سے تھے آگے بڑھے اور قریب سواری پہونچ کر آپ پر درود و سلام بھیجا۔ اور عرض کیا اے فرزند رسول خداؐ (ص) اے نور نظر علی مرتضیٰ (ع) اے وارث علوم نبوت اے وارث علم ولایت اور اے عالم علم قرآن اے محافظ توحید اپنے جد نامدار حضرت رسالتماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی کوئی حدیث ارشاد فرمایئے۔ اس وقت امام عالی مقام عماری میں تشریف فرما تھے خادم نے عماری کا پردہ اٹھایا اور امام رضا (ع) نے چہرہ مبارک عماری سے باہر نکالا درود و سلام کی صدائیں گونج لگیں لوگ زیارت امام علیہ السلام سے مشرف ہوئے بعدہ آپ نے ہاشمی لب و لہجہ میں حمد و ثنائے الہی ادا کی اپنے نانا حضرت رسول خدا (ص) پر درود و سلام بھیجا۔ اور پھر فرمایا اے لوگوں میرے پدر بزرگوار حضرت امام موسیٰ کاظم (ع) نے مجھ سے بیان کیا اور اس سے ان کے پدر بزرگوار حضرت امام جعفر صادق (ع) نے اور ان سے ان کے پدر عالی قدر حضرت امام محمد باقر (ع) نے اور ان سے ان کے پدر بزرگوار حضرت امام زین العابدین (ع) نے اور ان سے ان کے پدر نامدار حضرت امام حسین (ع) نے اور ان سے ان کی پدر نامدار حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب

(ع) نے اور ان سے حضرت رسولخدا (ص) نے اور ان سے حضرت جبرئیل (ع) نے اور بیان کیا جبرئیل امین سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ لا الہ اللہ حصنی فمن دخل حصنی امن من عذابی یعنی کہ لا الہ الا اللہ (اقرار توحید) میرا قلعہ ہے جو میرے قلعہ میں داخل ہو گیا وہ میرے عذاب سے محفوظ ہے علمائے نیشاپور اور دوسرے علمائے بزرگ نے اس حدیث مبارکہ کو قلمبند کیا روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہزاروں اہل علم نے اس حدیث مبارکہ کو قلمبند کیا ہے جب امام علیہ السلام ارشاد فرما چکے تو عماری پر پردہ کھینچ دیا گیا لوگوں نے عرض کیا فرزند رسولؐ کچھ اور ارشاد فرمایئے پھر امام عالمقام نے چہرہ مبارک باہر نکالا اور فرمایا کہ کلمۂ لا الہ الا اللہ بے شک وشبہ قلعہ امن وامان ہے اور عذاب خدا سے نجات دلانے کا موجب ہے لیکن اس قلعہ امن وامان میں داخلہ کیلئے کچھ شرائط ہیں پھر ارشاد فرمایا وبشروطہا۔ وانا من شروطہا۔ یعنی کہ اس کی کچھ شرائط ہیں اور ان میں سے ایک میں ہوں۔ یعنی کہ توحید قلعہ امن وامان ہے اس کیلئے جو ہماری امامت کا معتقد ہے پس امامت۔ ائمہ اثنا عشر صلوات اللہ علیہم اجمعین کلمہ توحید سے مربوط ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ



حضرات محمد وآل محمد (ص) وسیلہ معرفت خدا ہیں

حدیث قدسی: کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لکے اعرف

ترجمہ: (خداوند عالم فرماتا ہے) میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا مجھے مرغوب ہوا کہ پہچانا جاؤں میں نے مخلوق کو خلق کیا تاکہ پہچانا جاؤں۔

اگر بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس حدیث مبارک سے چند امور ظاہر ہوتے ہیں جو کہ یہ ہیں:۔

یہ کہ خداوند عالم کو اپنی معرفت منظور تھی پس اس نے مخلوق کو خلعت وجود عطا کیا تاکہ پہچانا جائے

یہ کہ چونکہ تخلیق کائنات وجہ معرفت خداوند عالم ہے پس جو اول مخلوق ہے وہ سزا وار ہے اس امر کی کہ وہ دوسروں کیلئے وسیلہ معرفت خدا قرار پائے۔

یہ کہ اول مخلوق چونکہ وجہ معرفت خداوند عالم ہے لہذا اس کا وقت تخلیق ہی عالم ذات وصفات خدا ہونا ضروری ہے کیونکہ معرفت بغیر علم نہیں ہوتی

یہ کہ اول مخلوق کو وقت خلقت اتنی معرفت حاصل تھی جتنی کہ خالق مطلق کو محبوب ومطلوب تھی۔

یہ کہ اول مخلوق کا نوری ہونا لازمی ولابدی ہے کیونکہ نور ہی سے تخلیق (خلقت) کا آغاز ہوا ہے۔ عناصر اربعہ کہ جس سے انسان پیدا کیا گیا ہے بعد کی تخلیق ہے

یہ کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حضرات محمد وآل محمد (ص) حقیقت میں نور نہیں

ہیں بلکہ من باب المجاز نور ہیں جیسا کہ اس دور میں بعض لوگوں کا یہ نظریہ ہے ان ذوات مقدسہ کو محض بشر ماننا پڑے گا حالانکہ بشر تو بہت بعد کی مخلوق ہے جیسا کہ حضرت آدمؑ کی پیدائش سے ثابت ہے پس ان حضرات کا نور سے خلق ہونا حقیقت محضہ ہے اور اسی لیے اولیت کا شرف حاصل ہے۔ اور انہی کی اولیت انتہائے تقرب خداوندی کی دلیل بھی ہے انہی ذوات مقدسہ نے مبدء فیض سے سب سے پہلے فیض حاصل کیا ہے اور قیامت تک کے واسطے وسیلہ فیض خداوندی ہیں جیسا کہ درود شریف سے ظاہر ہوتا ہے کہ رحمت خدا۔ انہی ذوات مقدسہ کی ذریعہ جاری ہوتی ہے۔

یہ کہ معرفت سے صفاتی معرفت خدا مراد ہے نہ کہ کنہ ذات مراد ہے کیونکہ کنہ ذات کی معرفت مفید آخرت نہیں ہے پس خداوند عالم نے مخلوق کو خلعت وجود اس لیے عطا کیا ہے کہ اس کی صفات پہچانی جائیں پس اول خلوق مظہر صفات خدا ہے۔

مذکورہ امور کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر ایک شخص یہ نتیجہ اخذ کر سکتا ہے کہ حضرات محمد وآل محمد (ص) وسیلہ معرفت خدا ہیں۔ پس حضرات محمد وآل محمد (ص) کا وجود ذی جود خداوند عالم کے وجود کی دلیل ہے۔

آنحضرت (ص) نے ارشاد فرمایا ہے انا وعلی من نور واحد کہ میں اور علی ابن ابطالبؑ ایک نور واحد سے پیدا کیے گئے ہیں جو عرش الہی کے سامنے خلقت آدمؑ سے چودہ ہزار برس پہلے خداوند عالم کی تسبیح وتقدیس کر رہا تھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ چونکہ نور محمد وآل محمد (ص) اول مخلوق ہے پس ہے کوئی نہ کوئی خالق کہ جس نے اپنی قدرت کاملہ سے اس نور کو خلعتِ وجود عطا کیا ہے جس سے انکی صفت خالقیت پہچانی گئی (ملاحظہ ہو کتاب فرائد السمطین فی فضائل المرتضیٰ والبتول والسبطین۔ مولفہ ابراہیم بن محمد الحموینی۔) مذکورہ حدیث کو آٹھ صحابیوں نے روایت کیا ہے یعنی کہ حضرت امیرالمومنین (ع) حضرت امام حسین (ع) جناب سلمان فارسیؓ ابوذر غفاریؓ جابر عبداللہ انصاریؓ۔ عبداللہ بن عباسؓ ابو ہریرہؓ انس بن مالکؓ نے روایت کیا ہے ملاحظہ ہو از ف ۳۲۵ تا صفحہ ۳۲۸۔ کتاب البلاغ المبین حصہ اول۔

مولفہ جناب آغا محمد سلطان مرزا صاحب مرحوم و مغفور دہلوی)

حدیث اول ما خلق اللہ نوری کہ خداوند عالم نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا۔ آنحضرت (ص) نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ سب سے پہلے خداوند عالم نے نور کو پیدا کیا ہے بلکہ نور کو اپنی طرف نسبت دے کر یہ ارشاد فرمایا ہے کہ سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا ہے لفظ نوری کے اعداد کا مجموعہ (ن ۵۰ + و۶ + ر ۲۰۰ + ی ۱۰) ۲۶۶ ہوتا ہے اور اس کا جمل صغیر ۱۴ اور جمل اصغر ۵ ہے بس حضرات چہاردہ معصوم (ع) اول مخلوق ہیں اور یہ سب کے سب وسیلہ معرفت خدا ہیں خداوند عالم نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ (سورۃ المائدۃ آیت نمبر ۳۵) یعنی کہ اے ایماندارو خدا سے ڈرو۔ اور اس کی طرف (پہونچنے کیلئے) وسیلہ تلاش کرو۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی شخص بغیر وسیلہ خداوند عالم تک نہیں پہونچ سکتا۔ اس لیے فرمایا ہے کہ وسیلہ تلاش کرنے کی جستجو کرو۔ تفسیر صافی صفحہ ۱۳۴ پر بحوالہ تفسیر قمی منقول ہوا ہے کہ وسیلہ سے مراد ہے امام منصوص من اللہ مقصد یہ ہے کہ امام (ع) کے ذریعہ تقرب خدا حاصل کرو۔

عیون اخبار الرضاؑ میں حضرت رسولخدا (ص) سے منقول ہے کہ ائمہؑ حسینؑ کی اولاد ہیں جس کسی نے ان کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی جس نے ان کی نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی ائمہ معصومینؑ دین کی مضبوط رسی ہیں۔ (یعنی کہ حبل اللہ ہیں) اور اللہ تعالیٰ تک پہونچانے کا واحد ذریعہ ہیں پس یہی ذوات مقدسہ ہمارے اور خدا کے درمیان وسیلہ معرفت توحید خدا ہیں۔ جنہوں نے حضرات معصومین (ع) کا دامن چھوڑ دیا وہ خدا رسیدہ نہیں ہو سکتے۔



اسماء پنجتن پاک (ع) اسماء خدا سے مشتق ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فَتَلَقّٰىٓ اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ (سورۃ البقرہ آیت نمبر ۳۷)

ترجمہ پھر آدمؑ نے اپنے پروردگار سے چند الفاظ سیکھے پس خدا نے (ان الفاظ کی برکت سے) آدمؑ کی توبہ قبول کرلی بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے۔

تفسیر صافی صفحہ ۲۹ اور کافی میں حضرت امام محمد باقر (ع) یا حضرت امام جعفر صادق (ع) سے منقول ہے کہ وہ کلمات کہ جنکی برکت سے حضرت آدمؑ کی توبہ قبول ہوی یہ تھے اللھم بجاہ محمد و علی و فاطمہ والحسن والحسینؑ والطیبین من آل ھم اے اللہ ۔ بحق محمدؐ و علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کے صدقہ میں اور ان کی آل کے صدقہ میں کہ جو معصوم ہیں میری رجوع کو قبول فرما شیعی تفسیر کے علاوہ اہلسنت حضرات کے ہاں بھی یہی روایت موجود ہے (ملاحظہ ہو تفسیر در منثور) ج ۱۔۶۱

روایات میں ہے کہ جناب آدمؑ نے اس طرح بارگاہ خداوندی میں مناجات کی تھی اللھم بجاہ محمد وانت المحمود و علی وانت الاعلی وفاطمۃ وانت الفاطر السموات والارض والحسن وانت المحسن والحسین وانت الاحسان القدیم کہ اے اللہ حضرت محمد مصطفےٰ (ص) کے مرتبہ کے لحاظ سے کہ تو محمود ہے اور علیؑ کے مرتبہ کے لحاظ سے کہ تو علیؑ ہے۔ فاطمہؑ کے مرتبہ کے لحاظ سے کہ تو فاطر السموات والارض ہے۔ حسنؑ کے مرتبہ کے لحاظ سے کہ تو محسن ہے اور حسینؑ کے مرتبہ کے لحاظ سے کہ تو احسان القدیم ہے میری رجوع قبول فرما۔ اور اسطرح مناجات کرنے پر خداوند عالم نے جناب آدمؑ کی رجوع قبول فرمای ان ہر دو روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسماء پنجتن پاک (ع) اسماء خدائے تعالیٰ سے مشتق ہیں پس ان اسماء مبارکہ میں بھی

وہ اثرات ہیں کہ جو خدا کہ اسماء حسنیٰ میں ہیں اور یہی اسماء مبارک ہمارے امام چہارم سے لے کر حضرت امام مہدی آخر الزمان (ع) تک دہرائے گئے ہیں۔ آنحضرت (ص) کا نام نامی پانچویں نویں اور بارہویں امام (ع) کے ناموں میں دہرایا گیا ہے۔ اس طرح حضرت امیر المومنین کا نام نامی امام چہارم امام ہشتم اور امام دہم کے ناموں میں ہے۔ امام حسن (ع) کا نام نامی گیارہویں امام علیہ اسلام کے نام میں دہرایا گیا ہے۔ لیکن امام حسین (ع) کا نام آپ کے بعد کسی دوسرے امام کے نام میں نہیں دہرایا گیا۔ پس اسم مبارک امام حسینؑ منفرد ہے اسی طرح امام ششم جعفر صادق (ع) اور امام ہفتم موسیٰ کاظم (ع) کے نام بھی منفرد ہیں۔ پس ائمہ اثنا عشر (ع) کے اسماء مبارکہ کو وسیلہ قرار دے کر دعا مانگنی چاہیے۔ اور اس طرح درج ذیل سلام بھیجنا چاہیے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ

اے اللہ تو السلام ہے اور تیری بارگاہ سے سلامتی ملتی ہے

وَلَکَ السَّلَامُ وَاِلَیْکَ یَعُوْدُ السَّلَامُ

تیرے لیے سلام ہے اور تیرے حضور میں سر تسلیم خم ہے

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ

پاک و بلند ہے پروردگار قوت و برتری کا مالک ہر اس شے سے کہ جسکی تم تعریف کرتے ہو

وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

اور اللہ کی حمد و ثنا ہو جو عالمین کا پالنے والا ہے

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔

سلام ہو اے نبی آپ پر اور اللہ کی رحمت اور برکت ہو

السلام علی الائمۃ الهادین المهدین

راہ نما اور ہدایت پر فائز اماموں پر سلام ہو

السلام علی جمیع انبیاء اللہ ورسلہ وملائکۃ

سلام ہو تمام انبیاء اور رسولوں پر اور فرشتوں پر

السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین

ہم پر اور نیک بندوں پر سلام ہو

السلام علی امیر المومنین علی ابن ابیطالب

حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب پر سلام ہو

السلام علی الحسن والحسین سیدی شباب اهل الجنۃ اجمعین

سلام ہو امام حسن اور امام حسین پر جو تمام اہل جنت کے سردار ہیں

السلام علی علی ابن الحسین زین العابدین

سلام ہو علی ابن الحسین زین العابدین پر

السلام علی محمد ابن علی الباقر علم النبین

سلام ہو امام محمد باقر پر علم الانبیاء پر

السلام علی جعفر بن محمد الصادق

سلام ہو امام جعفر صادق بن محمد پر

السلام علی موسیٰ بن جعفر الصادق

سلام ہو امام موسیٰ کاظم ورزند جعفر صادق پر

السلام علی علی ابن موسیٰ الرضا

سلام ہو امام علی رضا فرزند امام موسیٰ کاظم پر

السلام علی محمد ابن علی الجواد

سلام ہو امام محمد جواد ابن امام علی رضا پر
السلام علی علی ابن محمد ن الہادی
سلام ہو امام علی نقی فرزند امام محمد تقی پر
السلام علی الحسن بن علی الزکی عسکری
سلام ہو امام حسن عکسری فرزند امام علی نقی پر
السلام علی الحجۃ بن الحسن القائم المہدی صلوات اللہ علیہم اجمعین
سلام ہو حضرت امام اخر الزمان حجت خداو فرزند امام حسن عسکری پر سلام ہو ان سب اماموں پر اللہ کی رحمت ہو (پھر دعا مانگے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کہیعص اکفنی حمعسق احمنی سبحان القادر الکافی یا محمد یا علی یا صاحب الزمان الامان الامان الغوث الغوث

(یہ دعا استغاثہ ۳ مرتبہ بعد نماز صبح اور ۳ مرتبہ بعد نماز مغرب پڑھا کریں ۔

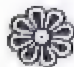


وصیت حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اور حفاظت توحید

حدیث: اوصی النبی الی علی ابن ابطالب (ع) یا علی احفظ التوحید فانہ راس المالی والزم العمل فانہ حرفتی والذکر الرب فانہ بصبیرۃ فوادی واقم الصلوۃ فانہا قرعۃ عینی واستعمل العلم فانہ میراث

ترجمہ: یعنی کہ انحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب امیرالمومنین علی ابن ابطالب (ع) کو وصیت فرمای کہ "اے علیؑ توحید کو حفاظت کرنا (مقصد یہ ہے کہ تبلیغ توحید خداوند عالم کرتے رہنا) کیونکہ یہ میرا اس المال ہے (مقصد یہ ہے کہ اقرار توحید خداوند عالم ضمانت نجات ہے) اور عمل حسنہ جاری رکھنا کہ یہ اکتسابی ہے (اسی پر جزاء وثواب مرتب ہوتا ہے یہ حرفۂ انبیاء (ع) ہے) خدائے تعالیٰ کی حمد وثنا تسبیح وتقدیس ذکر توحید جاری رکھنا اس لیے کہ یہ میرے دل کی خشگی کا موجب ہے۔ نماز قائم رکھنا یہ میری آنکھوں کا نور ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت امیرالمومنین علی ابن ابیطالب (ع) نہ صرف انحضرت (ص) کے وصیٔ برحق ہیں بلکہ انجناب اور آپ کی اولاد طاہرہ محافظ توحید ہے۔



قبلہ اور حفاظت توحید

از روے لغت "قبلہ" کے معنی ہیں "جہت"، "ہر وہ چیز جو سامنے ہو" "ہر وہ چیز جس کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوں "چونکہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں پس اصطلاحاً قبلہ سے وہ سمت مراد ہے کہ کعبۃ اللہ محاذ میں ہو۔

احتجاج طبرسی میں حضرت امام حسن عسکری (ع) سے روایت ہے کہ مکہ میں آنحضرت (ص) بحکم خدا بیت المقدس کی طرف مدینہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ اور جب آنحضرت (ص) ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے اور اقامت اختیار کی تو آپ' بیت المقدس ہی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی حکم خدا تھا کہ بیچ میں کعبہ بھی لے لیا کریں۔ آنحضرت (ص) دوران قیام مدینہ ڈیڑھ برس تک بیت المقدس ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ یہودیوں نے اعتراض کیا اور طرح طرح کی ایذا سے کام لیا۔ تو خداوند تعالیٰ نے ان کی باتوں کا جواب دیا کہ خدا کے علم میں اصلاً "کعبہ" ہی قبلہ ہے یا یہ کہ اصل کعبہ قبلہ ہے بیت المقدس تو چند روز کے لیئے قبلہ قرار دے دیا تھا۔ اور پھر جب تبدیلی قبلہ کا حکم نازل ہوا (سورۃ البقرآیت ۱۴۴ ملاحظہ ہو) تب آنحضرت' نے پندرھویں رجب ۲ھ میں بدر کی جنگ سے دو ماہ پہلے جب کہ آنحضرت' مسجد قبا میں نماز پڑھ رہے تھے کہ جو مدینہ منورہ سے، ڈھڑھ کوس کے فاصلہ پر ہے تبدیلی قبلہ کا حکم نازل ہوا۔ فوراً اثنائے نماز میں آپ' بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی طرف پھر گئے۔ ۲ھ میں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا عقد بھی مولود حرم حضرت علی ابن ابی طالب (ع) کے ساتھ ہوا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کعبۃ اللہ کا قبلہ جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی سلامی میں قرار پایا ہے۔ آنحضرت' نے ظہر کی آخری دو رکعتیں خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے تمام کیں۔ اسی وجہ سے اس مسجد کو ذو قبلتین کہتے ہیں یعنی کہ دو قبلوں والی مسجد۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب تک نماز بیت المقدس کی طرف

رخ کر کے پڑھی گئی اور بعد میں کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جو اس امر کی دلیل ہے کہ قبلہ ذات خداوند عالم کے لیئے "جہت" نہیں ہے۔ خداوند عالم کہ جو معبود برحق و یکتا ہے سمت اور جہت سے مبراو منزہ ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ (سورۃ البقرآیت ۱۳۶) یعنی کہ مشرق و مغرب دونوں اللہ کے ہیں۔ اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ قبلہ برائے مرکزیت نماز ہے جو عمود دینی ہے نہ کہ خدا کے لیئے سمت جہت ہو کیونکہ خداوند عالم بسیط مطلق ہے۔ اگر وہ ایک سمت میں ہو تو دوسری سمتیں اس سے خالی رہیں گی اگر کسی ایک جگہ سے متحد ہو تو اس سے دوسری جگہ خالی ہو جائے گی پس اس کا کسی سمت وجہت اور جگہ سے متحد نہ دلیل وحدت مطلقہ ہے پس قبلہ ظاہراً و باطناً حفاظت توحید کے لیئے ہے۔

اور جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ مسجد قبا کو "ذو قبلتین" کہتے ہیں اور حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب (ع) کو مصلی الی القبلتین کہتے ہیں کہ آپ نے دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز ظہر ادا کی پس کعبۃ اللہ کا قبلہ ہونا جس طرح محافظت توحید کرتا ہے اسی طرح حضرت علی ابن ابی طالب (ع) کا عین جوف (بیچ کعبہ) پیدا ہونا آپ کے قبلۂ اسلام ہونے کی طرف راجع ہے اور حفاظت توحید کی طرف بھی راجع ہے کہ کعبہ اگرچہ بیت اللہ ہے مگر خداوند تعالیٰ کے رہنے کی جگہ نہیں معاذاللہ خدا تو کسی جگہ سے متحد نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ پس کعبۃ اللہ کا قبلہ ہونا مرکزیت اسلامی کی واضح دلیل ہے اسی طرح حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب (ع) بعد آنحضرت (ص) مرکزیت امت مسلمہ کی دلیل ہیں۔ اسی لیئے حضرت صادق آل محمد (ص) نے فرمایا ہے۔

نَحْنُ كَعْبَةُ اللّٰهِ نَحْنُ قِبْلَةُ اللّٰهِ کہ ہم کعبہ خدا ہیں اور ہم ہی قبلہ ہیں۔ پس جس طرح قبلہ اور حفاظت توحید لازم و ملزوم ہے اسی طرح ائمہ معصومین (ع) اور حفاظت توحید بھی لازم و ملزوم ہیں۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا ہے۔ یا علی احفظ التوحید فانه رأس المالی کہ اے علی توحید کی حفاظت کرنا کہ یہ میرا راس المال ہے۔

خداوند عالم نے بیت اللہ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے ۔ و عھدنا الیٰ ابراھیم و اسمعیل ان طھرا بیتی للطائفین و العاکفین و الرکع السجود اور ابراہیم و اسمعیل سے عہد و پیمان لیا کہ تم میرے اس گھر کو طواف و اعتکاف کرنے والوں رکوع اور سجود بجا لانے والوں کے واسطے پاک رکھو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کعبہ ہمیشہ عند اللہ پاک رہا ہے ۔ حضرت ابراہیمؑ نے دعا بھی مانگی تھی کہ اے پروردگار تو اس گھر کو پناہ و امن کا گھر قرار دے ۔ اور چونکہ حضرات محمد و آل محمد (ص) قبلہ عالم ہیں ان کی طہارت و عصمت کا اعلان بھی خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے ۔ تاکہ بیت اللہ سے مماثلت برقرار رہے چنانچہ سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۳ ملاحظہ ہو ارشاد ہوا ہے ۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا ۔ یعنی کہ اے اہلبیت خدا تو یہ چاہتا ہے کہ تم کو ہر طرح کی برائی سے دور رکھے ۔ اور ایسا پاک و پاکیزہ قرار دے جیسا کہ حق طہارت ہے ۔ یہ آیت چہاردہ معصومینؑ کی عصمت و طہارت پر شاہد ہے ۔ اس آیہ کا مصداق کوئی اور نہیں ہے ۔ کعبتہ اللہ بھی پاک جو قبلہ ہے اور ائمہ معصومینؑ بھی پاک کہ جو حکم شدہ اہلبیتؑ رسو لخدا (ص) کہ جو امام ہیں ۔ اور نماز اللہ کے لئیے ہے پس جس طرح بیت اللہ سے انحراف نماز کو باطل کر دیتا ہے اس طرح اگر ائمہ اہلبیتؑ سے انحراف ہے تو پھر نماز کا شرف قبولیت پانا بھی محل اشکال ہو سکتا ہے ۔ پس قبلہ اور ائمہ معصومینؑ ظاہر و باطناً محافظ توحید ہیں ۔

التوحید الحق ھو اللہ
والحاصل لہ رسول اللہ
والحافظ لہ نحن
والتابع فیہ شیعتنا

(ارشاد حضرت صادقؑ)

واقعہ مباہلہ بنی نجران

اور حفاظت توحید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَاءَنَا وَاَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ ○ (سورۂ آل عمران آیت نمبر ۶۱)

ترجمہ:۔ (جب تمہارے پاس قرآن آچکا ہے اس کے بعد بھی کوئی نصرانی عیسیٰ کے بارے میں حجت کرے تو کہو کہ اچھا میدان میں آؤ۔) آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں کو اور ہم اپنی عورتوں کو ہم اپنی جانوں کو اور تم اپنی جانوں کو بلائیں۔اس کے بعد ہم سب خدا کی بارگاہ میں گڑگڑا کر جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ واقعہ مباہلہ بنی نجران کو اسلامی دنیا میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے اور جو خصوصیات اس میں پنہاں ہیں وہ ارباب نظر سے مخفی نہیں غرض و غایت مباہلہ محل وقوع۔ توحید پر ورنتائج بقاء دین اور آیت کے مصادیق یہ وہ چیزیں ہیں کہ جن کی نشاندہی معتبر ترین اسلامی کتابوں میں کیگئی ہے قوم نصاری اور حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان منعقد ہونے والا مباہلہ پہلا اور آخری ہے جو ۲۴ ذی الحجہ ۱۰ھ کو منعقد ہوا ہے۔پس مباہلہ حقیقت میں بالمقابل تثلیث۔ حفاظت توحید سے عبارت ہے مباہلہ کے معنی ہیں ایک دوسرے کے حق میں آمنے سامنے بیٹھکر دعاء بد کرنا۔ایک دوسرے پر نفرین کرنا جسے قرآن میں لفظ لعنت سے ذکر کیا گیا ہے۔

ظاہر ہے کہ مباہلہ عیسائیوں سے تھا جو منکر توحید ہیں اور تثلیث کے قائل ہیں اور

انحضرت (ص) نے یہ تعلیم دی ہے کہ خدا وحدہ لاشریک ہے۔ یکتا و اکیلا ہے وہ تین میں سے تیسرا نہیں ہے پس مباہلہ حقیقت میں بالمقابل تثلیث۔ حفاظت توحید سے عبارت ہے لیکن علماء اسلام نے واقعہ مباہلہ کو کتابوں میں بند کر دیا اور واقعہ مباہلہ کا اپنی محافل میں ذکر تک نہیں کرتے تاکہ عظمت پنجتن پاکؑ ظاہر نہ ہو۔ حالانکہ حضرت رسولخدا (ص) خود بہ نفس نفیس شریک مباہلہ ہیں۔

شاہ عبدالحق لحدث دہلوی نے اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب مدارج النبوۃ میں لکھا ہے۔ ہم کتاب البلاغ المبین مصنفہ جناب آغا محمد سلطان مرزا صاحب دہلوی مرحوم اعلیٰ اللہ مقامہ سے بحوالہ مدارج النبوت صرف ترجمہ روایت سپرد کتاب کرتے ہیں تاکہ قارئین کتاب پر واقعہ مباہلہ تفصیلا واضح ہو جائے۔

ترجمہ روایت۔ حضرت رسولخدا (ص) نے ایک مکتوب نصاری نجران کو ارسال فرمایا اور ان کو اسلام کی طرف دعوت دی۔ اہل نجران نے باہمی مشاورت کر کے ۱۴ آدمیوں کو اپنے میں سے منتخب کر کے مدینہ انحضرت (ص) کی خدمت میں بھیجا۔ تاکہ جناب رسولخدا (ص) کے حالات کی تحقیق کر کے ان کے پاس خبر بھجوائیں۔ ان میں سے سارا معاملہ تین آدمیوں کے ہاتھ میں تھا۔ ایک عبدالمسیح المعروف عاقب دوسرا ایہم ملقب بہ سید تیسرا ابوالحارث جب وہ لوگ مدینہ پہونچے تو اپنے سفر کے کپڑے اتار کر لباس فاخرہ۔ ریشمی اور انگشتری طلائی پہن کر انحضرت (ص) کی خدمت میں مسجد میں آئے۔ اور سلام کیا لیکن انحضرت (ص) نے جواب سلام کچھ نہ دیا۔ بلکہ اپنا مونہہ ان کی طرف سے پھیر لیا۔ وہ لوگ مسجد سے باہر آئے اور عبدالرحمن بن عوف سے کہا کہ تمہارے پیغمبر نے ہم کو خط لکھ کر بلایا اور جب ہم آئے اور سلام کیا تو انہوں نے جواب تک نہ دیا حالانکہ ہم گفتگو کرتے تھے مگر اس طرف سے سوائے خموشی جواب نہیں ملتا تھا۔ اب تمہاری کیا رائے ہے ہم واپس جائیں یا ٹھہرے رہیں چونکہ عبدالرحمن بن عوف اور ان کے بعض ساتھی انحضرت (ص) کی منشاء مبارکہ کو نہ سمجھ سکے۔ اس لیے حضرت علی (ع) کی خدمت میں آن کر عرض کیا آپ کی کیا رائے ہے حضرت علی (ع)

نے کہا کہ یہ لوگ جو لباس فاخرہ وریشمی اور سونے کی انگشتریاں پہنے ہوے ہیں اتار دیں اور رہبانوں کا سا لباس پہن کر انحضرت (ص) کی خدمت میں حاضر ہوں۔ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ اور انحضرت (ص) کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کیا۔ انحضرت (ص) نے جواب سلام دیا۔ اور فرمایا کہ خداے ذوالجلال کی قسم جس نے مجھکو مبعوث براستی کیا ہے جب یہ لوگ پہلی مرتبہ میرے پاس آے تھے تو ان کے ساتھ شیطان تھا۔ (یعنی کہ وہ فاخرہ لباس اور طلائی انگوٹھیاں پہن کر نخوت ظاہر کر رہے تھے جو شیطانی عمل ہے) عیسائیوں کے وفد نے بعد سلام انحضرت (ص) سے عرض کیا کہ آپ عیسیٰ کی شان میں کیا کہتے ہیں۔ انحضرت (ص) نے فرمایا کہ میں اس سوال کا جواب آج نہیں دیتا اس شہر میں ٹہرو تاکہ اس سوال کا جواب مجھ سے سنو۔ گویا انحضرت (ص) منتظر وحی الہی تھے دوسرے روز یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّ مَثَلَ عِیسٰی عِندَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَہٗ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُن فَیَکُونُ (سورۃ آل عمران آیت نمبر ۵۹) یعنی خدا کے نزدیک تو جیسے عیسیٰ کی حالت ویسی ہی آدم کی حالت کہ ان کو مٹی کا پتلا بنا کر کہا کہ ہو جا پس (فوراً ہی) وہ (انسان) ہو گیا۔ یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے اب شک کرنے والوں میں نہ ہو پس اس کے بعد کہ تیرے پاس یہ علم آچکا ہے اگر کوئی تجھ سے حجت کرے تو اس سے کہدو (آیہ مباہلہ کہ جسے اس مضمون کا سرنامہ قرار دیا ہے نازل ہوی اس جگہ صرف ترجمہ تحریر کیا جاتا ہے) کہ آؤ ہم تم اپنے بیٹوں اپنی عورتوں اپنے نفوس کو جمع کر کے پھر آپسمیں مباہلہ کریں پس خدا کی لعنت جھوٹ بولنے والوں پر ہو۔ انحضرت (ص) نے ان لوگوں کو طلب کیا اور ان پر یہ ایات تلاوت کیں لیکن انہوں نے اقرار نہ کیا۔ اور اپنے اعتقاد پر قائم رہے۔ انحضرت (ص) نے فرمایا۔ کہ اب چونکہ تم کو یقین نہیں آتا۔ آو تاکہ ہم مباہلہ کریں یعنی یک دوسرے کو بددعا کریں اور کہیں کہ جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہو۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہمیں آپ مہلت دیں تاکہ آپسمیں مشورہ کر لیں۔ اور کل پھر آئیں گے۔ پس دوسرے روز صبح کو وہ انحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوے اس طرف انحضرت (ص) نے مباہلہ کا انتظام فرمایا۔ حسین ابن علی (ع) کو گود میں لیا

حسن ابن علی (ع) کی اونگلی پکڑ کر اس طرح نکلے کہ آپ کے پیچھے پیچھے حضرت فاطمہؑ اور حضرت علی (ع) تھے۔ انحضرت (ص) نے ان سے کہا کہ جب میں دعا بد کروں تو تم آمین کہنا۔ سبحان اللہ کیا وقت اور کیا سماں تھا۔ کیسے گواہ تھے کیسے مشہود تھے۔ جماعت نصاریٰ نے جب ان پنجتن پاک کو دیکھا اور انحضرتؑ کے ارشاد کو سنا تو ڈر گئے۔ ابو الحارث بن علقمہ کہ سب سے زیادہ دانشمند تھا کہنے لگا کہ اے قوم میں ایسے چہرے دیکھتا ہوں کہ اگر یہ خدا سے دعا کریں کہ پہاڑ ہٹ جاے تو خداوند تعالیٰ ان کی خواہش کے مطابق پہاڑ کو ہٹا دے۔ ہر گز مباہلہ نہ کرنا ورنہ ہلاک ہو جاو گے اور کوئی نصرانی روے زمین پر باقی نہ رہے گا انحضرت (ص) نے فرمایا کہ بخداے وحدہ لاشریک لہ کہ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر یہ مباہلہ کرتے تو بندروں اور سوروں کی صورت میں بدل جاتے۔ اور خداوند تعالیٰ ان کے اوپر آگ برساتا۔ اور تمام نصاریٰ ہلاک ہو جاتے پس انہوں نے عرض کی کہ اے ابو القاسمؑ ہم مباہلہ نہیں کرتے آپ نے فرمایا کہ مسلمان ہو جاؤ۔ انہوں نے کہا کہ یہ کام ہم سے نہیں ہو سکتا آپ نے فرمایا پھر جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ انہوں نے کہا ہم آپ کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے ہم اس بات پر صلح کرتے ہیں کہ ہر سال دو ہزار پوشاکیں جن میں سے ہر ایک کی قیمت چالیس درہم ہوگی۔ آپؑ کو ادا کریں گے۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ اس کے علاوہ تیس ۳۰ گھوڑے تیس شتر تیس زرہ تیس نیزے بھی ہم دیں گے پس ان تمام باتوں کے ساتھ مصالحت ہو گئی۔

مندرجہ ذیل کتب میں بھی واقعہ مباہلہ روایت کیا گیا ہے جو کہ یہ ہیں " روضتہ الاحباب صفحہ ۵۲۳ عبید اللہ امرتسری ارجح المطالب باب سوئم صفحہ ۴۰۹ تفسیر کشاف مودۃ القربیٰ مولفہ سید علی ہمدانیؒ ابن حجر مکی صواعق محرقہ صحیح مسلم مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۴۹۸ تا ۵۰۰ تاریخ حبیب السیئر ریاض النضرہ محب الدین طبری مستدرک علی صحیحین تفسیر کبیر فخر الدین رازی تفسیر معالم التنزیل تفسیر بیضاوی تذکرۃ الخواص سبط ابن الجوزی وغیرہ وغیرہ ملاحظہ ہوں "

بعض روایات میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ آیہ تطہیر بھی بروز مباہلہ نازل ہوئی ہے اور اسمیں نہایت قوی دلیل ان کی فضیلت کی ہے اور آیہ تطہیر کا مصداق آنحضرتؐ علیؑ وفاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ ہیں اور یہی تمام کائنات میں افضل ہیں (تفسیر کشاف) (ہماری کتاب "حدیث کساء اور معرفت حدیث کساء ملاحظہ فرمائیں)۔

نصارائے نجران کا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ (ع) خدا کے بیٹے ہیں۔ یہ لوگ تثلیث کے قائل تھے اس طرح کہ عیسیٰ روح اللہ روح القدس اور خدا یعنی کہ خدا کو تین میں کا تیسرا مانتے تھے قرآن میں خداوند عالم نے ان کے نظریہ کو باطل قرار دیا ہے ارشاد ہو رہا ہے

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ قف وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ انْتَهُوا خَيْرًا لَكُمْ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ سُبْحَانَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ سورۃ النساء آیت نمبر ۱۷۱)

ترجمہ اے اہل کتاب اپنے دین میں حد (اعتدال) سے تجاوز نہ کرو اور خدا کی شان میں حق کے سوا (کوئی دوسری بات) نہ کہو۔ مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح (نہ خدا تھے نہ خدا کے بیٹے) بس خدا کے ایک رسول اور ایک کلمہ (حکم) تھے جسے خدا نے مریم کے پاس بھیجا تھا کہ (حاملہ ہو جائیں) اور خدا کی طرف سے ایک جان تھے۔ پس خدا اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔ اور تین کے قائل نہ ہو (تثلیث سے) باز رہو۔ اور توحید کا قصد کرو اللہ تو بس یکتا و معبود ہے وہ اس نقص سے پاکیزہ ہے کہ اس کا کوئی لڑکا ہو"

چنانچہ مباہلہ منعقد ہونے پر آنحضرت (ص) مع اجزا نبوت و رسالت میدان مباہلہ میں تشریف لائے اور ایک درخت پر چادر ڈال کر اس کے سایہ میں رونق افروز ہوئے۔ نصارائے نجران کی نگاہیں پڑیں دریافت کیا کہ حضرت رسولخدا (ص) کے ہمراہ آنے والے یہ کون لوگ ہیں بتایا گیا کہ رسول کی اکلوتی بیٹی فاطمہ زہرا (س) رسول کے داماد علی مرتضیٰ اور رسول کے

دونوں نواسے حسنؑ و حسینؑ ہیں جو ابنانا کا مصداق ہیں۔ آنحضرت اپنے بڑے نواسہ حسنؑ کی اونگلی پکڑے ہوے تھے اور آپ کے چھوٹے نواسہ گود میں تھے۔ بعض لوگ لفظ گود دیکھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ امام حسینؑ مباہلہ کے دنوں میں اسقدر کم سن تھے کہ آنحضرتؑ گود میں لاے۔ یہ نظریہ غلط ہے کیونکہ امام حسین ۴ھ میں پیدا ہوے ہیں اور مباہلہ جیسا کہ ذکر کیا جا چکا۔ ۱۰ھ ۲۴ ذی الحجہ میں منعقد ہوا ہے پس چھ سال عمر والا کسن نہیں ہوتا آغوش میں لینے کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرتؑ اپنے علم بنوتی کے ذریعہ جانتے تھے کہ حسین کی اولا میں نو امام پیدا ہونے والے تھے کہ جن کے آخری حضرت امام مہدی (ع) ہیں اور آپ ہی کہ ظہور کے بعد نشان تثلیث مٹ جائے گا۔

یہ سب کے سب اور علی و فاطمہ حسن و حسین ذخیرہ نبوت میں یہی معدن رسالت میں یہی قرآن ناطق ہیں اور یہی زمین بر حجت خدا ہیں یہ دیکھ کہ وہ کہنے لگے کے ہم ان سے مباہلہ کیلئے تیار نہیں ہیں۔ ہم ان کے چہروں سے حق و صداقت کے آثار دیکھ رہے ہیں۔ بنی نجران مباہلہ کیلئے تیار نہ ہوے یہ بھی ظاہر ہے کہ عیسائیوں کے ساتھ مباہلہ بحثیت محمد بن عبداللہ مباہلہ نہ تھا بلکہ بحثیت رسول اللہ تھا کیونکہ وہ لوگ آپ کی نبوت کے قائل نہیں تھے۔ اور مباہلہ میں آنے والوں حسنؑ و حسینؑ اور فاطمہؑ اور علی (ع) کو آنحضرت (ص) کے ساتھ قرابت کی نسبت ہے کیونکہ ابنا۔ نا نسا۔ نا اور انفسنا میں ضمیریں میں آنحضرتؑ کی طرف راجع ہیں جیسا کہ آپ نے۔ بحکم خدا بنی نجران سے فرمایا چنانچہ ایہ مباہلہ میں ہے ہم اپنے بیٹوں عورتوں اور اپنے جان و دل کو لائیں اور تم اپنوں کو لاؤ پس ان ذوات مقدسہ کو نہ صرف آنحضرت (ص) سے قرابت ہی کی نسبت ہے بلکہ علیؑ و فاطمہؑ حسنؑ و حسینؑ شریک رسالت بھی ہیں جب نصاریٰ نے ان کو دیکھا اور ان کی قرابت سے آگہی حاصل ہوی تو وہ لوگ آنحضرت (ص) سے مباہلہ کیلئے امادہ نہ ہوے اور جزیہ دینا قبول کیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تثلیث کے بالمقابل توحید کو فتح ہوی اگر بنی نجران مباہلہ کرتے تو پھر وہ معذب ہو جاے اور روے زمین پر کوئی عیسای باقی نہ رہتا پس واقعہ مباہلہ اور حفاظت توحید لازم و ملزوم ہیں۔

صلح حضرت امام حسن (ع) اور حفاظت توحید

آیت: وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ط (سورۃ النساء۔ آیت ۱۲۸)

ترجمہ: اور صلح تو (بہر حال) بہتر ہے

کتب معتبرہ میں وارد ہوا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر رونق افروز تھے اور خطبہ دے رہے تھے اس وقت شہزادہ مملکت امن و صلح امام حسن (ع) آنحضرتؐ کی آغوش مبارک میں تھے آنحضرت (ص) نے فرمایا کہ یہ میرا بیٹا سردار ہے پروردگار عالم دو بڑے گروہوں میں اس کی وجہ سے صلح کرائے گا۔ جس میں سے ایک گروہ باغی ہوگا۔ (ملاحظہ ہو صحیح بخاری مسند احمد حنبل سنن ابی داؤد نسائی معجم کبیر طبرانی) چنانچہ صاحب ما ینطق عن الھوی ان ھو الاوحی یوحیٰ کا ارشاد مبارک ظاہر ہو کر رہا اور حضرت امام حسنؑ نے امیر معاویہ سے صلح کر لی۔

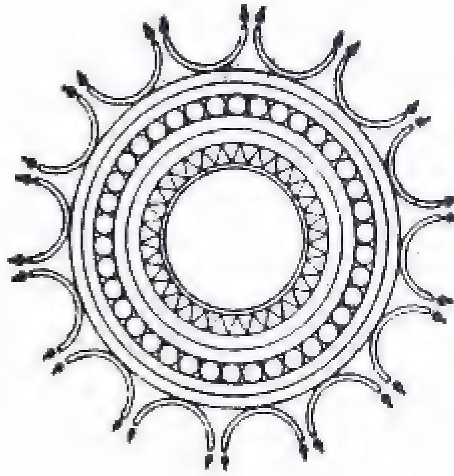
اس صلح کا پس منظر یہ ہے کہ امیر معاویہ جس اسلام کو رائج کر رہے تھے حضرت علی اسے صحیح اسلام نہیں سمجھتے تھے اسی لیے آپؑ نے امیر معاویہ کو خطوط و فرامین کے ذریعہ آگاہ کیا تھا آپ کے خطوط نہج البلاغہ اور دوسری کتب تواریخ میں محفوظ ہیں۔ ان کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت امیرالمومنین علی ابن ابطالب (ع) کی نگاہ میں امیر معاویہ حکومت اسلامیہ کی سرداری کے اہل نہیں تھے۔ اور حضرت علی (ع) کی خلافت ظاہری کے مختصر سے زمانہ میں معاویہ کی طرف سے ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ جن سے حضرت علی (ع) کے اس نظریہ کی تصدیق ہوتی ہے کہ امیر معاویہ اسلامی نقطہ نظر سے خلافت کے مستحق نہیں ہیں انہی نظریات کے نتیجہ میں صفین کی جنگ بھی رونما ہوئی ہم ان جنگوں کے حالات کو قارئین کتاب ہذا کی وسعت نظر پر چھوڑتے ہیں امیر معاویہ یہ چاہتے تھے کہ ان کے بعد فرزند "یزید" کی حکومت بنام حکومت اسلامیہ قائم ہو جائے۔ حضرت امام حسن (ع) بڑی خموشی سے ان تمام واقعات

کا مشاہدہ فرما رہے تھے کہ جسکی بنا پر نہروان کی جنگ اور خوارج کا وجود ظہور میں آیا تھا اور حضرت امیرالمومنین علی ابن ابیطالب (ع) کے مقابلہ میں خوارج کا ایک گروہ برسرپیکار ہوا تھا۔ گروہ خوارج میں سے آٹھ ہزار فوی اپنے عقائد فاسدہ سے تائب ہو کر حضرت علیؑ کے لشکر میں آگے تھے چنانچہ جنگ نہروان ہوی بہرحال جنگ صفین ہو یا جنگ نہروان دونوں کے نقشے حضرت امام حسن (ع) کی نگاہ علمی میں تھے امیر معاویہ اپنی چال میں کامیاب ہو گیا اور انیس ماہ رمضان المبارک ۴۰ھ کو ابن ملجم ملعون کی زہر آلودہ تلوار سے حضرت علیؑ ابن ابیطالب (ع) شہید کر دیئے گئے۔ بعدہ حضرت امام حسن مجتبٰے علیہ السلام سربرآرائے مسند خلافت ہونے تو وہ زمانہ انتہائی پرآشوب تھا۔ شیعیان علی (ع) کو نشانہ ظلم و ستم بنایا جارہا تھا۔ حکومت شام کی ریشہ دوانیاں۔ خوارج کا ابھرنا۔ یہ تمام چیزیں حضرت امام حسن مجتبیٰ (ع) کے پیش نظر تھیں اور ان کے ساتھ ساتھ خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صلح حدیبیہ بھی آپ کے پیش نظر تھی چونکہ لشکر اسلام کہ جیسا امام حسن (ع) چاہتے تھے مہیا نہیں ہو سکتا تھا علاوہ ازیں معاویہ نے خانوادہ رسولخداؐ سے مطالبہ بیعت نہیں کیا تھا۔ کہ امام حسنؑ جنگ کیلئے مجبور ہوتے یہ ایک بدیہی چیز ہے کہ صلح و بیعت میں فرق ہے اور وہ یہ کہ صلح میں فریقین باہمی معاہدہ کے پابند ہوتے ہیں لیکن بیعت میں معاہدہ نہیں ہوتا کوئی شرط نہیں ہوتی بلکہ بیعت بیع سے بنا ہے جسکے معنی ہیں کہ بیعت کرنے والا اپنی جان و مال اور دین و ایمان اس کے ہاتھ فروخت کر ڈالتا ہے کہ جسکی بیعت کرنی مطلوب ہوتی ہے پس چونکہ مطالبہ بیعت نہیں تھا لہذا حضرت امام حسن نے امیر معاویہ سے صلح کر لی۔ بعض نافہم یا وہ لوگ کہ جن کی جبلت ہی میں دشمنی اہلبیت شامل ہے آپ کی اس صلح پر اعتراض کرتے ہیں اس کا صرف یہی ایک جواب دینا مناسب ہے کہ امیر معاویہ سے اگر آپ صلح نہ کرتے تو نتیجہ میں جنگ ہوتی اور اگر امام حسن (ع) شہید ہو جاتے تو لامحالہ حضرت امام حسین (ع) سربرآرائے مسند خلافت ہوتے۔ اور ادھر معاویہ کے بعد یزید ملعون تخت خلافت پر متمکن ہوتا جیسا کہ بعد معاویہ وہ تخت خلافت پر بیٹھا اور تمام تواریخ کا خلاصہ یہی ہے کہ امیر معاویہ کی دلی خواہش

تھی کہ کسی نہ کسی عنوان اس کا فرزند یزید تخت نشین ہو جائے چنانچہ اس کی تمام ترچالوں کا مرکز یہی ایک چیز تھی کہ جو آخرش پوری ہوئیں اور یزید بنام خلیفۃ المسلمین تخت نشین ہوا۔ اگر حضرت امام حسن (ع) امیر معاویہ سے صلح نہ کرتے اور حالات کے ماتحت جنگ جاری رہتی تو جبکہ اکثریت نے حضرت امیر المومنین علی (ع) کا ساتھ نہ دیا۔ اور اپ کے خلافت بغاوت کر دی کہ جس سے معاویہ شاہی کو تقویت پہونچی اور نتیجہ امام حسن علیہ السلام کہ جنکی شہادت گھر میں واقع ہوی گھر کی بجائے میدان جنگ میں واقع ہوتی اور اسی طرح جب کہ یزید نے مظاہرہ کیا کہ امام حسین (ع) سے مطالبہ بیعت کیا اور انکار بیعت پر امام حسین (ع) مع عزیز واقربا۔ اور سب کے سب رفقاء سمیت وارد کربلا معلی ہوے اور دسویں محرم کو شہید ہوگئے۔

حضرت امام حسن (ع) نے صلح کر کے حکومت دنیاوی کو ٹھکرا دیا۔ اور یہ ثابت کر دیا کہ ہمارا مطمح نظر حکومت دنیاوی نہیں ہے بلکہ اس اسلام کی ترویج مد نظر ہے کہ جو دین مصطفوی ہے جسکے ائین وحی کے تحت مرتب ہوے ہیں اور اس اسلام کی حفاظت بعد انحضرت (ع) آپ کی آل پاک کے فریضہ میں شامل ہے پس حضرت امام حسنؑ نے صلح کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اس طرح کہ جس طرح صلح حدیبیہ میں انحضرت نے مظاہرہ فرمایا تھا۔ حضرت امام حسین (ع) نے بہتر قربانیاں دے کر یہ ثابت کر دیا کہ ہماری یزید بن معاویہ کے ساتھ جنگ۔ حکومت دنیاوی کیلئے نہیں ہے بلکہ یہ جنگ حق و باطل کی جنگ ہے پس مخالفین اسلام یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ دو گروہوں کی جنگ اور شہزادوں کی جنگ تھی یہ حق و باطل کے درمیان جنگ تھی بلکہ دنیائے حق و صداقت کے نزدیک امیر شام اور خلفائے حق کے درمیان ہمیشہ۔ حق و باطل کی جنگ رہی ہے۔ کربلا میں اگرچہ جنگ مغلوبہ تھی مگر حقیقت میں حضرت امام حسینؑ کو دائمی فتح نصیب ہوی اور زمین وآسمان کے درمیان حسینی فتح کے نقارے بج رہے ہیں یزید ملعون کا امام حسین سے مطالبہ بیعت بھی یہی ظاہر کرتا ہے کہ امام حسینؑ نے انکار بیعت فاسق کر کے چونکہ دین اسلام کو بچایا اور امام حسنؑ نے صلح کر کے دین

اسلام کو بچالیا پس صلح امام حسن (ع) اور حفاظت توحید لازم و ملزوم ہیں۔



شہادت حضرت امام حسین (ع) اور حفاظت توحید

حُسَیْنٌ مِنِّیْ وَاَنَا مِنَ الْحُسَیْن

حسین مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں (حدیث نبویؐ)

حدیث پیش نظر کے دو حصہ ہیں (۱) حسین منی۔ کہ حسین مجھ سے ہے (۲) وانا من الحسین۔ کہ میں حسین سے ہوں۔ عام طور پر اس حدیث نبویؐ سے یہ تاثر لیا جاتا ہے کہ انحضرت (ص) نے اس حدیث کے حصہ اول میں یہ فرمایا ہے کہ حسین مجھ سے ہے یعنی کہ اس میں بشری رشتہ کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ نانا کا وجود مقدم اور نواسہ کا وجود موخر ہوتا ہے پس یہاں اسی بشری رشتہ کا اظہار مدنظر ہے۔

جب ہم اس حدیث نبویؐ کے دوسرے حصہ پر نظر ڈالتے ہیں یعنی کہ آپؐ کے اس ارشاد مبارک کو دیکھتے ہیں کہ وانا من الحسین کہ میں حسین سے ہوں تو اس کا بشری رشتہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں وجود حسین مقدم اور وجود نبویؐ موخر ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ چونکہ ان دونوں جزوں میں کوئی معنوی ربط باعتبار بشریت نہیں ہے پس یہاں انحضرت (ص) نے معنوی طور پر جزئیت کو ظاہر فرمایا ہے کہ حسین منی کہ حسین مجھ سے ہے یعنی کہ وہ میرا جزو ہے اور انحضرتؐ۔ اول مخلوق ہیں اول الانبیاء ہیں جیسا کہ احادیث نور سے ثابت ہے کہ فرمایا اول ماخلق اللہ نوری کہ سب سے پہلے خداوند عالم نے میرے نور کو خلق فرمایا۔ یہ بھی واضح رہے کہ نور اول مخلوق نہیں بلکہ نوری محمدی (ص) اول مخلوق ہے کیونکہ نوری میں یائے نسبتی ہے کہ میرا نور اور حسین منی میں بھی لفظ منی میں یائے نسبتی ہے پس حسین اس وقت سے جزو محمد ہیں جب کائنات میں کوئی دوسری شی پیدا نہ ہوئی تھی۔

اگر بغائر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس حدیث نور میں تمام ذریت طیبہ مضمر ہے کیونکہ "نوری" کے اعداد کا مجموعہ ۲۶۶ ہے اور اس کا جمل صغیر ۱۴ اور جمل اصغرہ ہے پس علیؑ و فاطمہؑ حسنؑ و حسینؑ سب ہی شریک نور نبوی ہیں یعنی کہ ان سب کی خلقت نور سے ہوئی ہے اس پر احادیث بھی شاہد ہیں اور باعتبار منصب آنحضرت اول الانبیاء ہیں فرمایا ہے کنت بنیا وادم بین اسماء والطین کہ میں اسوقت بھی نبی تھا کہ جب آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے یعنی کہ ابھی آدم خلق نہ ہوئے تھے۔ پس جبکہ حضرت امام حسینؑ عالم نور ہی سے جزو نور رسالت ہیں تو یہ نور چونکہ مقام کثرت میں منقسم ہے مگر مقام وحدت میں ایک ہے پس آنحضرت کا یہ ارشاد فرمانا کہ وانا من الحسین کہ میں حسینؑ سے ہوں حقیقت وحدت نوری کو ظاہر کرتا ہے اور نور کل یعنی نور آنحضرت ہی نے عالم نور میں توحید باری تعالیٰ کا اقرار کیا ہے اور آپ ہی نے خدا کی معرفت سب سے پہلے حاصل کی ہے پس حسین اور حفاظت توحید لازم و ملزوم ہے۔

اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آنحضرت (ص) میں وہ سارے کمالات موجود تھے کہ جو خداوند عالم نے از آدم تا عیسیٰ بن مریم سب کو عطا کئے ہیں حضرت صادق آل محمد (ص) سے کسی شخص نے سوال کیا کہ آنحضرت (ص) تمام انبیاء و مرسلین کے صفات و کمالات کے جامع تھے تو آپ نے فرمایا کہ نعم بلکہ ان کمالات کے علاوہ وہ اور بھی صفات و کمالات تھے کہ جو خداوند عالم نے ان کو عطا کئے تھے لیکن جب ہم آنحضرتؐ کے کمالات و صفات پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درجہ شہادت پر فائز نہیں ہیں حالانکہ شہادت بھی ایک ایسا کمال ہے کہ جو سبب بقائے دین و توحید باری تعالیٰ ہے اب غور طلب یہ امر ہے کہ آنحضرت (ص) درجہ شہادت پر فائز ہیں یا نہیں ہم اس مقام پر اولاً شہادت کے مفہوم پر روشنی ڈالتے ہیں جو کہ یہ ہے۔

* شہادت کے معنی ہیں "سچی گواہی"
* شہادت راہ خدا میں قتل ہونے کو بھی کہتے ہیں کیونکہ قتیل راہ خدا اس کی گواہی دیتا

ہے

* شہادت نتیجہ حفاظت توحید کی طرف راجع ہے کیونکہ توحید اصل اصول دین اسلام ہے
* قتیل راہ خدا زندہ جاوید ہوتا ہے اس کو مردہ کہنا منع کیا گیا ہے اسکی زندگی کو ہم نہیں سمجھ سکتے
* قتیل راہ خدا بارگاہ خداوندی سے رزق پاتا ہے اس کے مرزوق ہونیکو ہم نہیں سمجھ سکتے

ان مذکورہ امور سے یہ بھی ترشح ہوتا ہے کہ شہید راہ خدا کی اس حقیقی زندگی میں تعطل نہیں ہے ورنہ زندگی اور مرزوق ہونے کا اطلاق محل اشکال ہوگا۔ لہذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ دینی امور میں ان کا نصرت کرنا بھی یقینی چیز ہے

اب ہم قتیل راہ خدا کے بارے میں قرآن مجید سے آیات سپرد کتاب کرتے ہیں جو کہ یہ ہیں۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ

(سورۃ البقرآیت ۱۵۴)

یعنی کہ جو لوگ خدا کی راہ میں قتل ہوگئے۔ انہیں کبھی مردہ نہ کہو بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں مگر تم ان کی زندگی کی حقیقت کو سمجھنے کا شعور نہیں رکھتے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ

(سورۃ آل عمران آیت نمبر۱۶۹)

یعنی کہ اور جو لوگ راہ خدا اس قتل کیگئے ہیں ان کو ہرگز مردہ نہ کہو بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں اپنے پروردگار کی طرف سے رزق پاتے ہیں۔ پس حیات ابدی اور رزق پانا یہ دونوں امور شہید راہ خدا کیلئے مخص ہیں ان سے انکار کرنا قران کی تکذیب کرنا ہے

یہ تو مسلمہ امر ہے کہ شہادت حضرت امام حسین روز روشن کی طرح ظاہر ہے اور اس

شہادت کے اثرات عالمگیر ہیں چنانچہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ شہادت حسنؑ حسینؑ دراصل رسالتمابؐ کی شہادت ہے اور آنحضرت (ص) کے دونوں شہزادے اس شہادت میں آنحضرتؐ کے نائب ہیں چونکہ شہادت کی دو قسمیں ہیں سری اور اعلانیہ جو دونوں شہزادوں پر تقسیم ہو گئیں۔ سری شہادت حضرت امام حسن سبز قبا کے حصہ میں آئی اور شہادت جہری (اعلانیہ) حضرت امام حسین کے حصہ میں آئی۔ چونکہ اس کا تعلق اعلان سے ہے اس لیے اس کو شہادت جہری کہتے ہیں چنانچہ پہلا اعلان جبرئیل اور ملائکہ کی زبان سے نازل کیا گیا دوم تعین مکان (کربلا کی زمین) سوم زمان شہادت (ماہ محرم) چہارم جنگ صفین کے موقعہ پر حضرت امیر المومنین نے اعلان فرمایا۔ پھر بعد شہادت۔ ہاتف غیبی کی ندا آئی کہ قتل الحسین بکربلا پھر آسمان سے بعد شہادت خون برسا۔ مٹی کا خون ہونا جنات کی آہ و بکا۔ پرندوں کا لاش امام حسین پر سایہ کرنا۔ شیر کا لاش مطہر کی حفاظت کرنا۔ قاتلوں کو ہولناک سزائیں ملنا۔ یہ سب اسباب شہرت شہادت حسین قرار دئے گئے ہیں اور یہ اسباب شہرت قدرت نے پیدا کئے کہ حاضر و غائب سب مطلع رہیں پس شہادت امام حسینؑ۔ شہادت عظمیٰ ہے اور یہی شہادت رسولخدا ہے اور اسی لیے آنحضرتؐ نے فرمایا ہے وانا من الحسین کہ میں حسینؑ سے ہوں۔ اور جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ شہادت کے معنی ہیں سچی گواہی " حضرت امام حسین " نے صرف تنہا گواہی نہیں دی ہے بلکہ ۷۲ گواہیاں پیش کی ہیں جن میں علی اصغر معصوم ششماہے کی گواہی بھی شامل ہے امام حسینؑ کے اہل حرم نے بھی گواہیاں دی ہیں اسیر و قیدی ہو کر۔ ریگ کربلا کا ذرہ ذرہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے " واللہ کہ اے حسین کاری کردی " یہ بھی مقاتل سے ثابت ہے کہ روز عاشورا محرم جب امام حسین شہید ہو گے تو خوں امام حسین سے ریگ کربلا پر قلم قدرت نے یہ تحریر کیا۔



حضرت امام حسینؑ نے شہید ہو کر دین اسلام کو بچا لیا پس شہادت امام حسینؑ چونکہ شہادت رسولخدا(ص) ہے پس شہادت امام حسینؑ اور حفاظت توحید لازم و ملزوم ہے

بہر حق در خاک و خوں غلطیدہ است
پس بنائے لاالہ گردیدہ است



حضرت امام العصر اور حفاظت توحید

حدیث نبوی: قَالَ النَّبِی لَا یَزَالُ ھذَا الاَمْرُ عَزِیزاً اِلیٰ اِثنَا عَشَرَ خَلِیفَةً (صحیح مسلم)

شعبی نے جابر بن سمرہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت (ص) نے فرمایا ہمیشہ یہ اسلام معزز و ممتاز رہے گا یہاں تک کہ اس میں بارہ تاجدار خلافت ہوں۔ اس مضمون کی بکثرت احادیث پائی جاتی ہیں

(۲) قال رسول اللہ (ص) من مات ولم یعرف امام زمانہ فقد مات میتة الجاھلیة۔

(یعنی جو) اپنے زمانہ کے امام کی معرفت کے بغیر مر جائے وہ جاہلیت کی موت (مشرک و کافر اور بیدین) مرتا ہے ان ہر دو احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ قیام قیامت تک صرف بارہ ہی خلفائے رسول خدا (ص) ہونگے مذکورہ دوسری حدیث میں لفظ امام وارد ہوا ہے اس کے ذیل میں تمام محدثین نے یہ لکھا ہے کہ ائمہ اثنا عشر مراد ہیں جنکے اسماء مبارکہ کتاب مطالب السئول فی مناقب آل رسول (ص) میں بھی مذکور ہوے ہیں اور ائمہ اثنا عشری خلفاء رسولخدا (ص) ہیں ہم نے اسی عنوان میں ائمہ اثنا عشر کے اسماء مبارکہ درج کئے ہیں۔ ان ہر دو احادیث کا مصداق صرف ائمہ اثنا عشر ہیں نہ کہ خلفاء بنی امیہ اور بنی عباس کیونکہ خلفاء بنی امیہ کی تعداد ۱۴ اور خلفائے بنی عباس کی تعداد ۳۷ ہے۔ اور یہ سب ملکر ۵۱ ہوتے ہیں جبکہ احادیث کی رو سے تعداد صرف بارہ ہے نہ کم نہ زیادہ۔ ائمہ اثنا عشر (ع) میں سے آخری امام حضرت امام مہدی القائم (ع) ہیں آپ کی غیبت صغریٰ میں معتمد عباسی اور آپ کی غیبت کبریٰ کے شروع ہوتے وقت راضی عباسی خلیفہ (حاکم و بادشاہ) تھا پس حدیث کا مصداق یہی ائمہ اثنا عشر (ص) ہیں اور ان کی معرفت حاصل کرنا لازم و واجب ہے اور جیسا کہ ذکر

کیا گیا کہ آنحضرت (ص) نے حدیث من مات و لم یعرف امام زمانہ میں عدم معرفت امام کو جاہلیت قرار دیا ہے ظاہر ہے کہ جب موت ہی حالت کفر و شرک و بے دینی میں واقع ہوئی تو وہ شخص مشرکوں کے ساتھ محشور ہوگا۔ اس حدیث مبارکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد کے لیے ہادی برحق کو "امام" فرمایا ہے پس معرفت امام کے بارے میں پہلی منزل یہ ہے کہ لفظ "امام" برحق کے لیے مخصوص سمجھیں۔ لوگوں کی طرح حرمت لفظ امام ضائع نہ کریں اسی سلسلہ امامت میں اول امام حضرت امیرالمومنین علیؑ، حسن بن علیؑ، حسین بن علیؑ، علی ابن الحسینؑ، محمد بن علیؑ، جعفر بن محمدؑ، موسیٰ بن جعفرؑ، علی بن موسیٰؑ، محمد بن علیؑ، علی بن محمدؑ، حسن العسکری بن علیؑ، حضرت حجت بن الحسن القائم المہدی (صلوات اللہ علیہم اجمعین) ہیں اور ان ہی ذوات مقدسہ کے لئے بزبان وحی ترجمان لفظ امام مختص ہے اور حضرت امام العصر (ع) کی امامت سے قیامت تک کا زمانہ عبارت ہے۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم وامامکم منکم۔ یعنی آنحضرتؐ نے فرمایا اے لوگ! اس وقت تمہارا کیا عالم ہوگا جب عیسیٰ ابن مریم آسمان سے نازل ہوں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کی امت میں لفظ "امام" سب کے لیے نہیں ہے بلکہ لفظ مخصوص ہے۔ ائمہ اثنا عشر کے لیے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگرچہ ذریت ابراہیمؑ میں (بہ سلسلہ حضرت اسحٰقؑ) ہیں اور آپ بھی لقب امام سے مزین ہیں لیکن حضرت مہدیؑ کے حضور میں جب تشریف لائیں گے تو اس وقت آپ لقب امام سے نہیں پکارے جائیں گے بلکہ آپ ماموم بن کر آئیں گے اور جیسا کہ اسی حدیث میں وارد ہوا وامامکم منکم یعنی کہ اور تمہارا امام تم میں سے وہ ہوگا یہاں لفظ امام سے حضرت مہدی آخرالزمان مراد ہیں۔ پس آنحضرتؐ کی امت میں سے کسی اور کے لیے لفظ امام کا اطلاق نہیں ہو سکتا خواہ وہ سابق نبی ہی کیوں نہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ جب امام عصر ظہور فرمائیں گے تو بقید حیات ہیں صرف فرق اتنا ہے کہ آج کل پردہ غیب میں ہیں اور وقت ظہور۔ نگاہوں کے سامنے ہوں گے لہذا غیبت ہو یا عالم ظہور "لفظ امام بزبان نبوی آپ

ہی کے لیے مخصوص ہے۔یہی وجہ ہے کہ اہل ایمان کے سامنے لفظ "امام" کا مصداق ائمہ اثنا عشر کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے امامت چونکہ اصول دین میں شامل ہے اور امامت آئمہ اثنا عشر کے لیے مخصوص ہے پس لفظ امام کی تخصیص کو برقرار رکھنا ہمارا ایمانی فریضہ ہے۔

پیش نماز کو بھی امام کہتے ہیں چونکہ پیش نماز جماعت کرتا ہے اور ماموین سے آگے ہوتا ہے لہذا اسے اصطلاحاً امام کہتے ہیں جماعت میں امام کے یہ معنی ہیں کہ من یقتدی بہ یعنی وہ شخص کہ جس کی اقتداء کی جائے (نہ کہ مفترض الطاعت) پیش امام کو صرف آگے ہونے کی وجہ سے امام کہا جاتا ہے اور وہ صرف ایک حالت خاص میں صاحب اقتداء ہے اس امام (پیش نماز) کے بارے میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ اگر اس کی قرأت صحیح و درست نہ ہو تو ایسے شخص کو کہ جس کی قرأت صحیح ہے اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

یہ امر مسلمہ ہے کہ تقرر امام از جانب خدا ہے دنیائے اسلام میں سب سے پہلے امام الناس حضرت ابراہیمؑ ہیں خدا نے آپ کو امام الناس قرار دیا ہے۔ قال انی جاعلک للناس اماماً (پ ا رکوع ۱۵) یعنی خدا نے فرمایا میں تم کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ یہاں امام کے معنی یہ ہیں کہ مایام الخلق اللہ کہ لوگ جس کی طرف رجوع کریں کسی ایک حالت خاص میں نہیں بلکہ مطلق طور پر وہ مرجع خلائق ہوتا ہے امامت ابراہیمیؑ حضرت اسماعیلؑ کی ذریت میں آنحضرتؐ کو حاصل ہے اور یہی امامت بجعل الہیٰ اور بہ نص رسول خدا۔ ائمہ اثنا عشر صلوات اللہ علیہم اجمعین کو حاصل ہے اور قیامت تک کے لیئے لفظ امام (منصب امام) ان ہی حضرات مقدسہ کے لیئے مخص ہے۔ اس امامت میں کبریٰ و صغریٰ کی بھی تقسیم نہیں ہے۔ پس مفترض الطاعت حیثیت میں لفظ امام۔ زمانہ غیبت امام عصر علیہ السلام میں کسی امتی کے لیئے نہیں ہے۔ اس لیئے کہ "مطاع" (کہ جس کی اطاعت مطلقہ کی جائے) کا معصوم ہونا ضروری ہے۔ حضرات مراجع عظام محفوظیت کے درجہ پر فائز ہوتے ہیں جسے اصطلاحاً اتقا کہتے ہیں لہذا معصوم ہی "امام" یعنی پیشوائے خلق ہوتا ہے وہ کسی ایک حالت خاص میں امام نہیں بلکہ وہ ہمہ وقت، بچپنا ہو کہ شباب ضعیفی ہو۔ حالت صلح میں ہو یا حالت جہاد میں ہمہ

وقت مقتدائے خلق ہے ۔اور وہی مطاع مطلق ہے ۔ائمہ اثنا عشر چونکہ مطاع مطلق ہیں ان میں سے کسی ایک کا انکار کرنا سب کا انکار کرنا ہے ۔اگر کسی شخص کو آئمہ معصومین کی معرفت کما حقہ، نہیں ہے تو اس کے دین میں ضلالت ہے پس لفظ "امام" کی تخصیص اور حرمت کو برقرار رکھنا بھی ہمارا ایمانی فریضہ ہے ۔

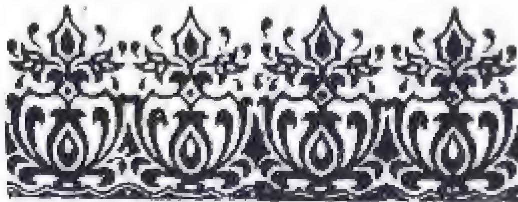
آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ امت کبھی ہلاک نہ ہوگی جس کے اول میں میں ہوں اور آخر میں عیسیٰؑ اور جس کے وسط میں امام مہدیؑ ہوں ۔(حضرت عیسیٰؑ کے آخر امت اور حضرت امام مہدیؑ کے وسط میں ہونے کا یہ مطلب ہے کہ حضرت امام مہدیؑ حضرت عیسیٰؑ کے نزول سے پہلے ظہور فرمائیں گے اور جب منادی فلک نداوے گا کہ حق ظاہر ہو گیا ہے تو حضرت عیسیٰؑ فلک سے نازل ہوں گے اور دونوں کعبتہ اللہ میں ہوں گے ۔پس حضرت عیسیٰؑ آخر میں ہوئے اور وسط میں امام مہدیؑ ہوئے اور اول آنحضرت ہوئے) اس حدیث مبارکہ میں بھی حضرت مہدی آخر الزمان کے لئے بزبان نبویؐ امام کسی اور کے لیئے نہیں ہے یہ بھی احادیث میں وارد ہوا ہے کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب خلیفتہ اللہ ۔امام مہدیؑ ظہور کریں گے تو اے لوگو، تم ان کو دیکھو تو ان کی بیعت کرو اگرچہ تمہیں برف پر گھٹنوں کے بل چل کر جانا پڑے ۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام حقیقت میں وہ ہوتا ہے کہ جس کی بیعت کی جائے ۔اس سلسلہ امامت کے اول امام حضرت امیرالمومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام ہیں ۔اسی لیئے آنحضرتؐ نے تمام اصحاب مردوزن کو غدیر خم میں آپ کی بیعت کرنے کا حکم دیا تھا اور سب ہی نے حضرت علی مرتضیٰؑ کی بیعت کی ہے ۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمام امت مکلف ہے ۔کہ وہ اپنے دور کے امام منصوص من اللہ کی بیعت کرے پس لفظ امام کسی امتی کے لیئے نہیں ہے ۔اور نہ کوئی امتی کسی امام سے بیعت طلب کرنے کا مجاز ہے ۔اس قسم کی روایت کہ حضرت علیؑ نے کسی کی بیعت کر لی تھی سراسر غلط ہے (اس سلسلہ میں ہماری تازہ تصنیف "علیؑ اور بیعت" ملاحظہ فرمائیں) جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے حضرت امام مہدی علیہ اسلام کے ظہور کے بعد جناب عیسیٰؑ بن مریم فلک سے نازل ہوں

گے۔اس وقت امام عالی مقام فرمائیں گے کہ اے عیسیٰ بن مریم آگے بڑھئیے اور نماز پڑھایئے تو حضرت عیسیٰ فرمائیں گے کہ تم میں سے بعض بعض پر امیر ہو یہ اس امت کے لیئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عزت اور فضیلت ہے پس امام مہدیٰ نماز پڑھائیں گے۔بعض احادیث میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ عیسیٰ فرمائیں گے کہ یہ نماز آپ کے لیئے قائم کی گئی ہے۔چنانچہ حضرت عیسیٰ حضرت امام مہدیٰ کی اقتداء میں نماز پڑھیں گے اور جب نماز ختم ہو جائے گی تو بیٹھیں گے اور اس وقت حضرت عیسیٰ کھڑے ہوں گے اور حضرت امام مہدیٰ مقام ابراہیمؑ پر بیٹھیں گے اور اس وقت حضرت عیسیٰ آپ کی بیعت کریں گے۔مقام ابراہیمؑ پر بیٹھ کر بیعت کا واقع ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ امام مہدیٰ وارث امامت ابراہیمیؑ ہیں اور انی جاعلک للناس اماماً کے ذیل میں آخری امام ہیں۔پس آپ کے غیبت کے زمانہ میں کسی دوسرے شخص کے لیئے لفظ امام بولنا، لفظ امام استعمال کرنا درست نہیں ہے۔

حضرت امام مہدیٰ پیدا ہو چکے ہیں اور بحکم خدا پردہ غیب میں ہیں۔آپ کا مشہور لقب مہدیٰ ہے نام نامی وہی ہے کہ جو حضرت پیغمبر اسلام کا نام مبارک ہے۔آپ پردہ غیب میں یوں روپوش ہیں جیسے پھول میں خوشبو۔ابر میں آفتاب۔پردہ چشم میں نور نور امامت۔کسکاۃ کے فانوس ہیں گویا نور کے فانوس میں من نور واحد کی شمع روشن ہے۔واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون (پ ۲۸ رکوع ۹) اور خدا اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا۔اگرچہ کافروں، منکروں کو گراں گزرے اہل ایمان آج بھی چشم بصیرت سے امام العصر (ع) کی زیارت کر رہے ہیں۔ظاہری آنکھوں سے زیارت امام عالی مقام آج نہ ہو گی۔کل ضرور ہو گی۔انشاء اللہ تعالیٰ کعبۃ اللہ میں زیارت ہو گی۔مقام ابراہیمؑ پر زیارت ہو گی۔اس وقت زیارت کرنے والوں میں تمام اہل ایمان اور حضرت عیسیٰؑ ابن مریم ایک ہی صف میں ہونگے اور علیؑ والے نعرہ حیدری کے ساتھ سلامی دیں گے۔پرچم علم کھلا ہو گا۔ذوالفقار کی تابناکیاں ظلمت تقصیر و کفر کے دامن چاک کر رہی ہونگی۔خداوند کریم وہ دن دکھلائے کہ حضرت امام العصر (ع) عجّل اللہ فرجہ کا ظہور پر نور ہو۔تمام روئے زمین پر ایک ہی دین اسلام جاری ہو۔تثلیث مٹ جائے۔

نور توحید سے دنیا منور ہو جائے ۔ دامن امت مسلمہ سے تفریق ختم ہو جائے ۔ مسلمان ۔ مسلمان کو کافر کہنے سے اجتناب کرے اسلامی حکومت ہو ۔ نظام مصطفوئ پر دنیا گامزن ہو ۔ طریقہ مرتضوئ پر عمل ہو ۔ حی علی خیر العمل کی صدائیں بلند ہوں ۔ مساجد عبادت کے کھلی ہوں ۔ علیؑ علیؑ علیؑ کے نعرے بلند ہوں ۔ عزاخانوں میں حسینی صف عزا آراستہ ہو ۔ امام العصر (ع) مجالس میں تشریف لائیں اور چشم انتظار زیارت سے مشرف ہو ۔ اس زمانہ غیبت امام (ع) میں آپ کی معرفت پر ہی معرفت توحید منحصر ہے کیونکہ توحید ہی اصل اصول دین ہے

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّد



تتمہ

سورۃ البقرکی حسب ذیل آیات آیۃ الکرسی کے نام سے مشہور ہے۔

آیات

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا یَئُوْدُہٗ حِفْظُھُمَا وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ

ترجمہ

خدا ہی وہ ذات پاک ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔(وہ) زندہ ہے (اور) سارے جہاں کا سنبھالنے والا ہے اس کو نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے غرض سب کچھ اسی کا ہے کون ایسا ہے کہ جو بغیر اس کی اجازت کے اس کے پاس (کسی کی) سفارش کرے۔جو کچھ ان کے سامنے (موجود) ہے (وہ) اور جو کچھ ان کے پیچھے ہو چکا ہے (خدا سب کو) جانتا ہے اور لوگ اس کے علم میں سے کسی چیز پر احاطہ نہیں کر سکتے مگر وہ (جسے) جتنا چاہے (سکھا دے) اس کی کرسی سب آسمانوں اور زمینوں کو گھیرے ہوئے ہے اور ان دونوں (آسمانوں و زمین) کی نگہداشت اس پر (کچھ بھی) گراں نہیں اور

وہ بڑا عالیشان بزرگ مرتبہ ہے۔

سورۃ البقر کی یہ ایت آیۃ الکرسی کے نام سے مشہور ہے بعضوں نے لکھا ہے کہ یہ دو آیتیں ہیں ایک القیوم تک اور دوسری "عظیم" تک مگر حق یہ ہے کہ یہ ایک ہی آیت ہے اس کی بابت خصال میں روی ہے کہ کہ آیت الکرسی قرآن پاک کی آیتوں میں زیادہ عظمت والی آیت ہے۔آیت الکرسی کو پڑھ کر سن کر انسان کے دل میں خدائے تعالیٰ کی عظمت وجلالت قائم ہوتی ہے۔اور اس کے معبود برحق ہونے پر عقیدہ و عمل استوار ہوتا ہے۔ حضرت امام محمد باقر (ع) سے مروی ہے کہ جو شخص آیۃ الکرسی کو ایک مرتبہ پڑھے پروردگار اس شخص سے ہزار مکروہات دنیوی کو دور کرتا ہے اور ہزار مکروہات اخروی کو دور کرتا ہے۔آیۃ الکرسی کی مختصر شرح درج ذیل ہے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

لفظ اللہ اس آیت میں مبتدا ہے اور باقی فقرہ خبر ہے اس کا مقصد و مطلب یہ ہے کہ مستحق عبادت و بندگی کوئی نہیں۔سوائے اللہ تعالیٰ کے۔کیونکہ وہی تمام صفات کمالیہ کا جامع ہے۔پس عقلاً عبادت اس کے لیئے زیبا ہے کہ اس سے باعظمت کوئی اور نہیں ہے۔اس میں انتہائے توحید بیان کرکے ان لوگوں کی رد کی گئی ہے کہ جو خود ساختہ کی عبادت کرتے ہیں۔

اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ

حی اسے کہتے ہیں کہ جو ایسی صفت پر ہو کہ جس کی وجہ سے ادراک و مدرکات کرسکے۔اور قیوم اسے کہتے ہیں جو تدبیر کو قائم رکھ سکے۔اس کا یہ مطلب ہے کہ حی و قیوم وہ ذات ہے کہ جو عالم و قادر ہے۔کیونکہ وہ اپنے علم و قدرت کے ذریعہ تمام کائنات کو

روزی پہنچاتا ہے کیونکہ وہ ہر ایک کو جانتا ہے

لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ

وہ ایسا ہے کہ نہ اسے نیند آتی ہے نہ کبھی اونگھ آتی ہے ۔اس کا مقصد یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ تغیرات سے بری ہے کیونکہ اونگھ اور نیند تغیرات کی نشانی ہیں ۔اس کا یہ بھی مطلب ہے کہ ذرا جسم و جسمانیات نہیں رکھتا ۔وہ عالم ہے کہ دلوں کا بھید جانتا ہے اور اسی طرح وہ چھپی ہوئی چیزوں کو بھی جانتا ہے یعنی کہ پیٹ کا حال بھی جانتا ہے ۔اور آسمانوں و زمین میں کوئی چیز اس نے مخفی نہیں ہے کوئی شخص بغیر اس (معبود حقیقی) کی اجازت کے اس کے نزدیک سفارش نہیں کر سکتا ۔(نزدیک خدا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جسے تقرب خدا حاصل ہو یا جسے خود خداوند تعالیٰ نے اذن شفاعت دے دیا ہے وہی سفارش و شفاعت کر سکتے ہیں

یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ

وہ معبود برحق جانتا ہے ان چیزوں کو جو آدمیوں کے سامنے موجود ہیں اور جو کہ ان کی آنکھوں سے مخفی ہیں یعنی کہ حاضر و غائب سب کا علم رکھتا ہے سب کو جانتا ہے بعض لوگوں نے ما بین ایدیہم سے گذشتہ اور آئندہ امور مراد لیئے ہیں ۔

وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ

لوگ اس کے علم کو احاطہ نہیں کر سکتے ۔مگر اس قدر جتنا کہ وہ چاہے ۔مقصد یہ ہے کہ خدا کے علم کی کوئی انتہا نہیں ہے مگر انسان کا علم محدود ہے وہ بھی اس کی عطا پر منحصر ہے ۔کیونکہ خدا کے علم دو طرح کے ہیں ایک "مخزون" جس پر کسی کو اطلاع نہیں ہے دوسرے "مبذول" جسے اوروں کو بھی بتا دیا ہے ۔

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ج	کرسی سے مراد یا تو آٹھواں آسمان ہے جو تحت عرش (فلک الافلاک) ہے یا اس سے مراد علم ہے اور حضرت امام محمد باقر (ع) نے فرمایا ہے کہ اس سے سلطنت ملک مراد ہے۔ یعنی کہ کوئی شے خدا کے علم سے باہر نہیں ہے۔
وَلَا يَـئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا	آسمانوں اور زمینوں کی حفاظت میں خدائے تعالیٰ کو کوئی مشقت نہیں ہے کیونکہ قادر مطلق ہے۔
وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ	وہی تمام چیزوں سے برتر و منزہ ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ علی کے معنی ہیں قدرت و سلطنت کی عظمت و شان باب جوامع توحید اور عظیم سے مراد قادر مطلق ہوتا ہے۔ (ماخوذ از) کتاب توحید القرآن مصنف جناب مولانا محمد ہارون صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ
خدا کے لئیے صیغہ جمع بولنا	یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں" درست نہیں ہے کیونکہ اس میں کثرت پائی جاتی ہے خداوند تعالیٰ احد و یکتا ہے پس یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اسمیں اخلاص فی التوحید پایا جاتا ہے۔ پس خدا کے لئیے صیغہ واحد بولنا چاہیئے۔
دیدار خدا ہونا	جو شے حدقہ چشم میں محصور ہو سکے وہ نظر آتی ہے خداوند عالم بسیط محض ہے وہ چشم باصرہ سے نظر نہیں آسکتا اس لئیے کہ چشم باصرہ میں محصور نہیں ہو سکتا۔ قرآن میں وارد ہوا ہے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ - یعنی کہ اس کو آنکھیں دیکھ نہیں سکتی - پس خداوند تعالیٰ نہ دنیا میں نہ آخرت میں نظر آنے والا ہے یہ کہنا منافی قرآن ہے کہ قیامت میں خدا کا دیدار ہوگا۔
خیر و شر	انسان کے نیک و بد افعال کو خدا کی طرف نسبت دینا منافی دین اسلام ہے۔ قرآن میں وارد ہوا ہے۔ بِيَدِكَ الْخَيْرُ (سورۃ

آل عمران آیت ۲۶) کہ خیر خدا کے ہاتھ میں ہے۔ خیر کی ضد "شر" ہے عمل خیر پر ثواب اور عمل شر پر (بدی) پر عذاب منجانب خدا معین و مقرر ہے۔

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (سورۃ زلزال آیت ۸،۷) یعنی جو کوئی ذرہ بھی نیکی کریگا وہ اسے دیکھ لے گا اور جو کوئی ذرہ بھی برائی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا۔ ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان اپنے افعال میں مختار ہے اور نیکی و بدی دونوں افعال انسان ہیں۔

نگارش تمام شد

خطیب آل محمدؑ

سید ظل حسنین زیدی سرسوی

فروری 1993

فہرست کتب

خطیب آل محمدؐ مولانا سید ظل حسنین صاحب زیدی سرسوی

تصانیف

۱۔ الصراط المستقیم
۲۔ مشکل کشائے عالم (دوسرا ایڈیشن)
۳۔ معرفت امام مبین
۴۔ کلمہ اور معرفت کلمہ
۵۔ ملفوظات عزاء
۶۔ معراج النبی (ص)
۷۔ رسولؐ اور علم غیب
۸۔ یادگار مجلسیں (بارہ تقاریر)
۹۔ علیؑ اور بیعت
۱۰۔ عقیدہ و عمل اور نجات
۱۱۔ معرفت حدیث کساء
۱۲۔ خاک کربلا و نجف
۱۳۔ اَشْهَدُ اَنَّ عَلِيًّا وَلِيُّ الله اور اذان
۱۴۔ سوانح حضرت امیرالمومنین علی ابن ابیطالب (ملحقہ نہج البلاغہ مترجمہ علامہ
۱۵۔ امتزاج نور و طین
(یعنی تخلیق محمدؐ وآل محمدؐ)

۱۶۔ توحید و معرفت توحید

مترجمہ کتب

۱۷۔ ریاض القدوس (جلد اول) مولفہ آقائی صدر الدین واعظ قزوینی (ایران)

۱۸۔ جلد دوم

۱۹۔ مہیج الاحزان مولفہ حسن بن محمد علی یزدی (ایران)

۲۰۔ دلائل ولایت اور علم امامؑ۔ مولفہ حسن الحجۃ الکوہ کمری (ایران)

۲۱۔ مجموعہ زندگانی چہاردہ معصوم (ع) جلد اول تالیف عماد زادہ اصفہانی (ایران)

۲۲۔ جلد دوم





تاثرات

جناب سید حسن علی زیدی مرحوم مودت اہلبیت علیہ السلام کا نشان تھے!

ہر انسان کی سیرت و کردار کا قالب نسل و خاندان کے سانچوں میں ڈھلتا ہے۔ اور پھر ہر ایک انسان اپنی روایتی زندگی میں انفرادیت پیدا کر لیتا ہے جس کی وجہ سے اس کا نام افقِ خاندان پر تابندہ رہتا ہے۔ سید حسن علی زیدی بھی اپنی روایتی خاندانی ماحول میں ایک منفرد نامور شخصیت تھے کہ جنہوں نے اپنے نام کے ساتھ انفرادیت کو نمایاں کیا۔ مرحوم کا تعلق سادات بارہہ (ضلع مظفر نگر یوپی بھارت) سے تھا۔ زیدی سادات کا سلسلہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے فرزند ارجمند بطلِ رشید زید شہیدؒ سے مربوط ہے۔ زید شہیدؒ نے انتقام خونِ امام حسین علیہ السلام کے جذبہ میں دشمنوں سے جہاد کیا اور جامِ شہادت نوش کیا مگر اپنے شیعیوں میں خصوصاً زیدی سادات میں درد و غم کی ایک ایسی حرارت چھوڑ گئے جو کبھی ٹھنڈی نہ ہو گی چنانچہ موصوف کو اوائلِ عمر ہی سے عزاداری امام حسین علیہ السلام سے والہانہ لگاؤ تھا بنا بریں ماتمی دستوں کے ساتھ سینہ زنی اور زنجیر زنی ان کا مشغلہ تھا مرحوم نے تھوڑے ہی عرصے کے اندر ماتمی دستوں میں تنظیم قائم کی جس کی وجہ سے شیعیانِ اسلام پورہ میں ان کو ایک خاص مقام حاصل ہوا اور یہاں کے تمام مومنین اس مرحوم سے متعارف ہوئے اور مرحوم کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔ مرحوم انجمن مہمانِ آلِ محمد کے سرپرستِ اعلیٰ بھی تھے۔

مرحوم سے میرا خصوصی تعارف مجلس عزا کے سلسلہ میں قائم ہوا۔ مرحوم اپنے گھر ایک مجلسِ عزا بڑے اہتمام کے ساتھ عاشورا محرم کے بعد کسی تاریخ میں منعقد کرتے تھے یہ مجلس عموماً ماتمی مجلس کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ شہر بھر سے ماتمی دستے اس مجلس میں شرکت کرتے ہیں۔ نوحہ خوانی اور ماتم خوب خوب ہوتا ہے۔ علم حضرت عباس علمدار علیہ السلام برآمد ہوتا ہے مجھے بھی اس مجلسِ عزا میں ۱۹۸۶ء سے متواتر شرف ذاکری حاصل ہے۔ اختتامِ ماتم حلیم بطور تبرک پیش کی جاتی ہے یہ مجلس عزا منفرد مجلس ہے۔

مرحوم ایک عرصہ تک شیعہ جامع مسجد الموسوم بہ "مسجد النساں علیہ السلام صاحب" واقع حیدر روڈ اسلام پورہ لاہور کی مجلس انتظامیہ کے صدر بھی رہے ہیں۔ مرحوم کی صدارت کا دور مثالیہ تھا۔ مرحوم اکثر و بیشتر اہلِ قلم کی حوصلہ افزائی بھی فرماتے تھے۔ اور گراں قدر عطیہ سے نوازتے تھے مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ چھوٹے چھوٹے نادار بچوں کی ابتدائی تعلیم میں کفالت بھی فرماتے تھے۔

مرحوم نے مشاہد مقدسہ کی زیارت کا شرف بھی حاصل کیا ہے۔ افسوس صد افسوس کہ مرحوم نے اپنی بھرپور جوانی میں اس دارِ فانی سے بطرف عالمِ جاودانی کوچ فرمایا لیکن آج بھی مرحوم کا نامِ نامی پائیدار صورت میں تابندہ ہے، وہ یہ کہ مرحوم نے اپنی حیات میں اپنے فرزند سید ہیثم تمار زیدی کے نام سے ایک ٹرسٹ قائم کیا جس کا نام ہیثم تمار ٹرسٹ ہے۔ مرحوم اپنی زندگی میں اس ٹرسٹ کے مینیجنگ ٹرسٹی تھے لو اب ان کے فرزند سید علی شہید زیدی اس ٹرسٹ کے ڈائریکٹر ہیں۔ خُو، بُو اور طور و طریقہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "الولد سر لابیہ" کہ ان کے فرزند سید علی شہید زیدی اپنے والد مرحوم کے نقشِ قدم پر گامزن ہیں خداوند عالم ان کو طول عمر عطا کرے اور قومی خدمات کے سنہری مواقع عطا فرمائے۔

موت کا اگرچہ وقت مقرر ہے مگر ہمارے نزدیک مرحوم کی اس ناوقت موت نے ان کی اولاد کہ جن میں ایک فرزند، چار دختران اور ان کی بیوہ ہے کے دلوں پر کوہِ گراں گرادیا ہے مرحوم کے برادرانِ حقیقی، دوسرے اعزا اور احباب سب پر ہی اس موت کا اُداسی خیز اثر ہے۔ مگر مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ سوائے صبر اور کیا ہو سکتا ہے۔ مرحوم نے نام بھی پایا تو "حسن علی زیدی" حسن بمعنی خوبیوں والا۔ اور لفظ علی بمعنی بلندیوں والا اور نسبی نسبت زید شہید سے ہے کہ جن کے دل میں نہ مٹنے والی حرارتِ غم تھی۔ مرحوم کا نام بھی بلند، کام بھی بلند۔ اور زبان قرآن میں مودہ اہلبیتؑ کو حسنہ کہا گیا ہے بس حسن علی حسن تھے، واقعتاً نشان مودہ اہلبیت تھے۔ خداوند عالم مرحوم کو جوارِ شہدائے کربلا میں جگہ عطا کرے۔ ہمارا ایمان ہے کہ اب حسن علی زیدی ائمہ معصومین علیہم السلام کی خدمت میں مشرف بہ زیارت ہو رہے ہیں۔ جوارِ ائمہ اہلبیت علیہم السلام ہے اور حسن علی زیدی۔

مومنینِ کرام سے گزارش ہے کہ مرحوم کو سورۃ فاتحہ نذر فرمائیں۔

شریکِ غم

مولوی سید ظل حسنین زیدی سرسوی

کتاب امتزاج نور و طین (تخلیق محمد ﷺ و آل محمد)

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵	۱۴	رب	(یہ زیادہ لکھا گیا ہے)
//	۱۵	الموحدیں	الموحدین
۶	۱۱	صورت	بصورت
۷	۳	جاسکے	جو سکے
//	۳	مولانہ	مولانا
//	۳	پڑ	پُر
//	۱۳	زہ	زوہ
//	۲۰	فرمایہ	فرمایا
۸	۴	دنیای	دنیاوی
//	۵	تکملا	تکملاً
//	۹	جنبیش	جنبش
۹	۴	شیعیت	شیعیّت
۱۴	۱	احمد اللہ	الحمد للہ
//	۷	وبحتی	وبحقّی
۱۵	۱۰	نگاو	نگاہ
۱۷	۳	راوند	خداوند
//	۹	العالن	العالمین
//	۱۲	مجلس	مجلسیؒ
//	۲۲	مال	(یہ زائد ہے)
۲۱	۱۶	م	ہم
۳۲	۳	الطالب	ابیطالب
//	۹	مصنبیا	مصفیا
۳۵	۱۳	طاہرہ	طاہرہ
۳۵	۶	لوسائط	الوسائط
۳۸	۴	طوتہ	طینت
۳۸	۵	//	طینت

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۹	۱۸	//	طینت
۵۱	۱	مابہ	مابہ الامتیاز
۵۲	۱،۶	روزبیان	روزبہان
//	۱۰	مسکہ	مسلہ
۵۳	۱	حیثیت	حیثیت
۵۴	۳	مختصراً	مختصرا
۵۵،۵۶	ان دو صفحات کی عبارت کو اول بدل کر کے پڑھیے		
۵۹	۲	بلیت	بُلیت
۶۷	۱	متبصرین	متبصرین
۶۹	۷	عرض	عرض کیا
//	۹	الستی	اتی
//	۱۰	ہوگے	ہوگئے
//	۱۱	معتقد ہیں	معتقد نہیں ہیں
//	۱۶	اثنا عشر	اثنا عشر
//	۲۱	اسی حالتیں مرا	اسی حالت میں مرا
//	۲۲	مبارک	مبارکہ
//	۲۳	حسب	(زائد ہے)
۷۱	۱۵	تسیح	تسلیح
۷۷	۲۰	سورۃ القصص	سورۃ القصص
۷۸	۱	بو	کو
//	۷	فرخہ	فرجہ
۹۳	۱۳	وجو	وجود
۱۰۱	//	یہ اشعار سید ساجد رضوی کے ہیں	
		توحید و معرفتِ توحید	(کتاب دوم)
۲	۲	ابالطلب	ابیطالب
۵۳	۴	پوری آیت غلط	فقل تعالوا ندع ابناء نا و ابناکم و نساءنا ونساء کم و انفسنا انفسکم ثم نبتھل فنجعل لعنت اللہ علی الکاذبین۔
۶۸	۱	و ثم	ولم


Najafi Cassette Library
Karachi. Ph: 7222674


NAJAFI BOOK LIBRARY
MASOOMEEN WELFARE TRUST (R)
Soldier Bazar
Karachi.



دی سوسائٹی آف میثم تمار ٹرسٹ کے بانی، سیّد حسن علی زیدی ۱۹، مارچ ۱۹۴۲ء قصبہ جٹواڑہ سادات بارہہ (انڈیا) میں پیدا ہوئے، اور ۱۸، دسمبر ۱۹۹۳ء کولاہور میں وفات پائی۔ یہ تصویر اُن کی کربلا معلیٰ عراق کے مقامات مقدسہ کی زیارات کے دوران لی گئی تھی۔